هدًى للناس وبينٰت من الهدٰى والفرقان
حج نمبر ۱۳۶۹ھ
الفرقان
(لکھنؤ)
مرتبہ
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

خوش آنکہ بندم در رہِ ہجرت برناقہ محمل از وطن
خیزم چو گرد، افتم چو اشک آیم بسر غلطم بہ تن

سنہ ۱۳۶۹ ہجری

مرتبہ

محمد منظور نعمانی

قیمت فی کاپی عہ | سالانہ چندہ ہ صہ | [illegible] الفرقان میں

محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر۔

فہرست مضامین "حج نمبر الفرقان لکھنؤ" ۱۳۶۹ ہجری

جلد نمبر (۱۷) | بابت ماہ شعبان و رمضان و شوال ۱۳۶۹ھ | نمبر (۸-۹-۱۰)

اپنے ناظرین کرام سے

گزشتہ سال بھی حج نمبر ۱۶۰ صفحہ ہی پر شائع ہوا تھا، گویا اس کی ضخامت الفرقان کی تین عمومی اشاعتوں کے برابر تھی لیکن اسکو دو ہی مہینے (رمضان و شوال) کے قائمقام کیا گیا تھا — اس سال کا یہ حج نمبر جو آپکے ہاتھ میں ہو اتفاق سے اسکی ضخامت بھی وہی ہو اور جی چاہتا تھا کہ اس مرتبہ بھی دو ہی مہینے کے قائمقام کیا جائے لیکن اول تو الفرقان کی مالی حالت اسوقت اس بار کی متحمل نہیں، علاوہ ازیں شوال کے آخر میں یہ انشاءاللہ شائع ہو سکے گا، اسلیے ہم نے اسکو تین ماہ (شعبان، رمضان، شوال) کے قائمقام قرار دیا ہو، اب اسکے بعد انشاءاللہ ذیقعدہ ہی کا شمارہ شایع ہوگا، امید ہو کہ ہمارے خاص حالات کے پیش نظر ناظرین کرام کے لیے ہمارا یہ فیصلہ ناخوشگوار نہ ہوگا —— ناظم دفتر الفرقان لکھنؤ

سخنہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ واقعہ ہو کہ گذشتہ سال جب حج نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا گیا اور جب وہ تیار ہو کر نکلا تو اسکا کوئی ارادہ بلکہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ آئندہ پھر اس قسم کا کوئی نمبر نکالا جائے گا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نمبر کی اشاعت سے تین چار ہفتے بعد ہی سفر حج کی توفیق اس نامہ سیاہ کو عطا فرمائی تو پہلے جہاز میں اور اسکے بعد مکہ معظمہ میں اور پھر مدینہ منورہ میں بکثرت حجاج کے ہاتھوں میں دیکھکر مسرت بھی ہوئی اور یہ خیال بھی دلمیں آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے اور ہر سال اسی طرح الفرقان کا حج نمبر شائع ہوا کرے تو انشاء اللہ بڑے خیر اور بڑے اجر کی توقع ہو اور سیکڑوں اللہ کے بندوں کے حج میں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہونے کا ایک اچھا ذریعہ ہو ـــــ میرے دلمیں تو یہ خیال بس آرزو ہی کے درجہ میں آیا تھا لیکن ایک دن خاص مسجد حرام میں ایک بڑی بابرکت صحبت میں مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اس ناچیز سے فرمایا کہ ہر سال الفرقان کا حج نمبر نکلنا چاہیئے! سید صاحب کے اس ارشاد نے آرزو کو ارادہ سے بدل دیا اور وہیں اس کا فیصلہ کر لیا گیا۔

لیکن حجاز سے جب میں واپس آیا تو ہندستان و پاکستان کے درمیان تبادلۂ زر بند ہو جانے کی وجہ سے الفرقان غریب کو میں نے اس حالت میں پایا کہ اسکے جاری رکھنے یا بند کر دینے کا سوال درپیش تھا۔ بہرحال الفرقان کو جاری رکھنے کا فیصلہ تو کر لیا گیا، لیکن خاص نمبر نکالنے کا خیال یا منصوبہ قدرتی طور پر نسیاً منسیاً ہو گیا، یہانتک کہ جب رجب کا مہینہ آیا اور حج کے تذکرے اور چرچے شروع ہوئے اور انھوں نے وہاں کے مناظر وہاں کی صحبتیں اور بہاریں یاد دلائیں تو پھر دل میں امنگ اٹھی اور بنام خدا حج نمبر کا اعلان کر دیا گیا۔

گذشتہ سال حج نمبر کی تیاری شعبان میں شروع ہوئی تھی اور صرف رمضان کے ایک مہینہ میں کتابت و طباعت کے سارے مرحلوں سے گزر کر عید کے دن وہ تیار ہو چکا تھا ـــ اس سال خیال تھا کہ اگر شعبان کے آخر تک نہیں تو رمضان کے شروع میں انشاء اللہ ضرور شائع کر دیا جائے گا، یہی پروگرام تھا اور اسی خیال سے مقالہ نگار حضرات سے اواخر رجب یا زیادہ سے زیادہ اوائل شعبان تک مضامین کی استدعا کی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے اکثر حضرات نے مقررہ وقت ہی پر مقالات بھیجدیے لیکن اس وقت کارکنان الفرقان کے لیے وہ مجبوری پیش آگئی جس کا ذکر رجب کے الفرقان میں

کیا جاچکا ہو اور اس معاملہ میں وہ بالکل بے بس ہو گئے۔ پھر بھی خیال تھا کہ انشاء اللہ شروع شوال تک ہم شائع کرسکیں گے لیکن امورِ تقدیری پر کس کا بس چلتا ہے، اس عاجز کی والدہ ماجدہ جنکی طبیعت کئی مہینہ سے ناساز چلی آرہی تھی، شعبان میں انکی علالت نے ایسی شدت اور نزاکت اختیار کرلی کہ تمام کاموں کو موخر کر کے ان کی خدمت میں پہونچنا اور حاضر رہنا میرے لیے ضروری ہو گیا چنانچہ میں لکھنؤ سے اپنے وطن (سنبھل ضلع مراد آباد) ان کی خدمت میں چلا گیا۔ تا آنکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے قانونِ عام کے تحت رمضان المبارک کے آخری مبارک زرین عشرہ کے پہلے دن یعنی ۲۱ رمضان کو ٹھیک نماز مغرب کے وقت انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دوسرے عالم میں پہونچا دی گئیں[1] (اللھم اغفرلھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا) اسکے بعد سنبھل ہی سے مجھے دہلی اور بہار نپور جانا بعض وجوہ سے ضروری تھا، بہرحال اس سارے چکر سے فارغ ہو کر میں ۲ شوال کو لکھنؤ واپس پہونچ سکا۔ اگرچہ میری غیبت میں بھی حج نمبر کا کچھ کام ہوتا رہا لیکن بعض کام ایسے تھے جو مجھ سے ہی متعلق تھے وہ میرے انتظار میں رُکے رہے جس کی وجہ سے اتنی دیر ہو گئی۔

چند مضامین کی گمشدگی کا سانحہ اس نمبر پر ایک حادثہ یہ بھی گزرا کہ ۲۹ شعبان کو یہ عاجز سنبھل سے لکھنؤ آرہا تھا راستہ میں مراد آباد کے اسٹیشن پر ایک چرمی بیگ چوری ہو گیا جسمیں بعض اور ضروری اور قیمتی چیزوں کے علاوہ حج نمبر کے چار مقالے بھی تھے، ایک مقالہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ کا تھا، اور دو مقالے مولنا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی کے تھے اور ایک مقالہ مولنا سید محمد ثانی کا تھا ان مقالات کے علاوہ نمبر ہی کی چند نظمیں بھی تھیں، ان گمشدہ مقالات میں سے صرف مولنا محمد اویس صاحب کا ایک مقالہ ان سے دوبارہ مل سکا جو اس نمبر میں شائع ہو رہا ہو انشاء اللہ ناظرین اسکو دلچسپی سے پڑھیں گے اور بڑی لذت و حلاوت پائینگے، باقی مقالے دستیاب ہو سکے، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کے مقالہ کا ایک حصہ جو "زیارت" سے متعلق تھا اور جو بعد میں آیا تھا حُسنِ اتفاق سے وہ دفتر الفرقان ہی میں تھا اسلئے وہ رہ گیا اور وہی اس نمبر کا گویا "مقطع" یا "حرفِ آخر" ہو انشاء اللہ ناظرین اسکے مطالعہ سے بہت محظوظ اور مستفید ہوں گے۔

بہرحال نمبر کی تیاری اور اشاعت میں جو مزید تاخیر ہوئی اسمیں مضامین کی گمشدگی کے اس حادثہ کو بھی خاصا دخل ہو۔

خیر خدا خدا کر کے ان تمام حوادث و سوانح سے گزر کر اب کشتی کنارے آلگی ہو آج ۱۲ شوال ہو انشاء اللہ ۴، ۵ دن میں نمبر تیار ہو جائے گا اور خدا نے چاہا تو شوال ختم ہونے سے پہلے اکثر ناظرین کو مل جائیگا۔ اگرچہ حجاج کی ایک خاصی تعداد شروع شوال کے جہازوں میں جا چکی ہو لیکن ذیقعدہ میں بھی ابھی کئی جہاز اور جانے والے ہیں، نمبر کے جو شائقین ان جہازوں سے روانگی کا ارادہ رکھتے ہیں انشاء اللہ انکی خدمت میں یہ نمبر روانگی تک پہونچ جائے گا۔ اگر بالفرض حج کو جانے والے ان کے چند بندوں تک بھی یہ پہونچ گیا اور انھوں نے اس سے کچھ فائدہ اٹھا لیا تو پھر انشاء اللہ سب محنت وصول ہو اور اس تاخیر کا پھر زیادہ غم نہیں۔ **محمد منظور نعمانی**

---

[1] ناظرین کرام سے استدعا ہو کہ وہ مخدومہ مرحومہ کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا فرما کر اس عاجز پر احسان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہٗ

حمداً وسلاماً

نگاہِ اوّلیں!

(مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی)

ناظرین الفرقان اور عازمین حج کی خدمت میں "الفرقان" کا دوسرا "حج نمبر" پیش ہے، گذشتہ سال ۱۳۶۸ھ میں پہلی مرتبہ یہ تجویز ذہن میں آئی اور بڑی عجلت کے ساتھ حج نمبر مرتب و طبع ہو کر قارئین اور مسافرین حرمین کی خدمت میں پیش ہو گیا۔ عازمین حج کی بے حسی اور حج کی اصل رُوح اور عظمت سے غفلت کو دیکھ کر دل پر ایک چوٹ لگی تھی کہ جو سفر سراسر سفرِ عشق و جہاد اور علانیہ عملِ محبت و اخلاص ہے اور جو عام طور پر بغیر غیر معمولی اہتمام اور خصوصی ذہنی قلبی و رُوحی توجہ کے انجام نہیں دیا جا سکتا، اُس کی معنویت و رُوحانیت اور آداب و احکام سے بڑی غفلت پائی جاتی ہے۔ شیطان کا بہت بڑا حربہ یہ ہے کہ جب وہ کسی عمل میں ظاہری تحریف و تغیر و تبدل سے قاصر رہتا ہے اور اس کی ظاہری شکل اور قالب کو بدل نہیں سکتا تو وہ اس عمل یا رکن کو رُوح اور حقیقت سے خالی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں حقیقت کے بجائے رسمیت پیدا کر دیتا ہے، قالب اور ظاہری شکل میں محسوس تغیر و تبدل نہ ہونے کی وجہ سے اس دین کے متبعین اور بعض اوقات محافظین کو بھی کوئی انقلاب محسوس نہیں ہونے پاتا اور وہ اپنے تساہل یا غفلت سے اس کا موقع دیدیتے ہیں کہ شیطان اپنا کام کرلے۔ اس صورت حال کا مقابلہ اور اس کی اصلاح بہت ہی مشکل ہوتی ہے، اس لئے کہ ظاہری تحریف اور تغیر و تبدل کو آسانی سے محسوس کر لیا جاتا ہے اور پوری قوت سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے، علماء اس تبدیلی پر تحریف اور اگر بہت رعایت سے کام لیتے ہیں تو بدعت کا حکم لگاتے ہیں، اصل سے مقابلہ کیجئے تو کھلا ہوا فرق معلوم ہوتا ہے اور عامی سے عامی بھی محسوس کر لیتا ہے کہ یہ ایک دینی فتنہ اور شریعت سے انحراف ہے، لیکن کسی عمل کے حقیقت سے خالی ہونے کا احساس بہت مشکل سے ہوتا ہے اس کے لئے بڑی گہری نظر کی ضرورت ہے۔ فرائض و آداب کی ظاہری پابندی

اور ضابطہ کی خانہ پری سخت دھوکا دیتی ہے، محتسب و واعظ کی زبان یہاں بند ہوتی ہے، فقیہ و مفتی اس کو اپنے حدودِ عمل سے خارج سمجھتے ہیں، یہ کام ان نائبین انبیاء کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ دین کی گہری بصیرت اور اعلیٰ اخلاقی جرأت عطا فرماتا ہے۔ جس طرح اہلِ قانون قانونی مخالفت کے خلاف گرفت کرنا اپنا منصبی فرض سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ اہلِ نظر اعمال و ارکان میں حقیقت و رُوح پیدا کرنے کی کوشش کرنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے حقیقی نتائج و ثمرات حاصل نہیں ہوتے، اور لوگوں کو یہ دیکھ کر استعجاب ہوتا ہے کہ اللہ و رسول نے ان اعمال کے متعلق جو وعدے فرمائے تھے، وہ معاذ اللہ نظر نہیں آ رہے ہیں حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ وعدے حقیقت سے متعلق تھے نہ کہ صورت سے، اور ہماری غفلت و لاعلمی میں ہمارے یہ اعمال اکثر حقیقت سے خالی ہو گئے ہیں۔

پچھلے مذاہب و ادیان کی تاریخ کو دیکھا جائے گا تو صاف معلوم ہو گا کہ ان مذاہب میں یہ مخفی تحریف پہلے عمل میں آئی، پھر ظاہری تحریف نے بھی راہ پائی، اسلام کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں پر ظاہری تحریف سے محفوظ رکھا ہے لیکن فطرتِ انسانی بدل نہیں سکتی، جب حقیقت سے غفلت کی جاتی ہے رسمیت فوراً غالب آ جاتی ہے، عمل کا ذوق اور اس کی رُوح نکل جاتی ہے، ایمان و احتساب کے بجائے رسم و رواج کی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے، پھر جو چیزیں ذوق، قوتِ ایمانی، اور رُوح سے سہارا حاصل کرتی ہیں اُن کو ذوق کے فقدان، قوتِ ایمانی کے اضمحلال اور رُوح کے زوال سے اپنا وجود قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ظاہری ضوابط و قوانین کی پابندی بھی مشکل ہو جاتی ہے اور اس میں سستی اور غفلت شروع ہو جاتی ہے، آج ہمارا حج رُوح و ضابطہ دونوں کے انحطاط کا نمونہ ہے۔

مدیر "الفرقان" اور ان کے رفقاء نے یہ سمجھ کر کہ ہم رسالہ کے ذریعہ اپنی آواز کو زیادہ آدمیوں تک پہونچا سکتے ہیں، "حج نمبر" نکالنے کا فیصلہ کیا اور تھوڑے وقت میں اس کو مرتب کر کے پیش کر دیا، لیکن اُن کو اس کا بالکل اندازہ نہ تھا کہ ان کی یہ حقیر خدمت اس قدر موثر اور نتیجہ خیز ہو گی۔ اگر مدیر الفرقان کو اُسی سال خود جہاز اور حجاز میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس انعام کا بچشم خود مشاہدہ نہ ہوتا اور وہ حجاج کو بکثرت بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس رسالہ کو پڑھتا ہوا اور اس کے اثرات کا اظہار و اعتراف کرتا ہوا نہ پاتے تو شاید وہ غائبانہ شہادتوں پر یقین نہ کرتے اور نہ ان کو اس سال دوبارہ حج نمبر مرتب کرنے کی تحریک ہوتی، لیکن گذشتہ سال انھوں نے جو کچھ دیکھا اور دوستوں اور اللہ کے مخلص بندوں سے جو کچھ سنا اُس کے بعد

دوبارہ اس نمبر کا مرتب نہ کرنا ایک طرح کا کفرانِ نعمت معلوم ہوتا ہے۔ حج کے اس وسیع سمندر میں کوئی سکون یا اضطراب پیدا کرنا بڑی بڑی منظم حکومتوں کے بھی بس کی بات نہیں رہی، اس میں ایک کاغذی سفینہ اگر کوئی ادنیٰ خدمت بھی انجام دے سکے، اور چند سو آدمیوں تک بھی دین کی بات پہونچا سکے اور چند درجن آدمیوں کے دل میں بھی حج کی اہمیت و ذوق پیدا کر سکے، یہ محض اللہ کا فضل ہے اور مدیر "الفرقان" ان کے شرکار کار اور رسالہ اس کے شکر میں اپنے مالک کی بارگاہ میں سر بسجود ہیں۔

ہر نمبر کو حوادث و آلام کی تلخ داستان سے شروع کرنا اور حالات کی ناسازگاری کا شکوہ کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا، لیکن اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اس نمبر کی تیاری جس توجہ و سکون کی طالب ہے وہ میسر نہیں آسکا مدیر الفرقان اپنی والدہ مرحومہ کی شدید علالت اور تیمارداری کے سلسلہ میں لکھنؤ سے عرصہ تک غیر حاضر رہے جس کی وجہ سے نمبر کی ترتیب وطباعت کا سارا کام صاحبزادوں کو انجام دینا پڑا، مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ دونوں مرتبہ یہ سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

خدا کا شکر ہے کہ پیشِ نظر رسالہ مضامین کی افادیت اور اصحاب مقالات کی بلندی امتیاز کے لحاظ سے کسی معذرت کا محتاج نہیں۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کے مکتوب گرامی میں جس طرح حج کی روح آگئی ہے اسی طرح وہ اس رسالہ کی روح ہے۔ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کا پچھلا مقالہ جو گذشتہ حج نمبر میں شائع ہوا تھا ایک محققانہ اور خالص علمی مقالہ تھا جس سے اہلِ علم نے استفادہ کیا۔ مولانا ممتاز صاحب علم و قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ درد و صاحبِ قلب بھی ہیں، اور جہاں کہیں ان کے قلم کی باگ ان کے دل کے ہاتھ میں ہوتی ہے، ان کے کلام کی تاثیر و دل آویزی کا کچھ اور عالم ہوتا ہے، ہماری تمنا تھی کہ مولانا اس مرتبہ حقیقت حج یا فلسفۂ حج کے بجائے، اپنے سفر حج کی روداد سنائیں اور بے تکلف و بے ساختہ سنائیں۔ مولانا نے ہماری یہ درخواست منظور فرمائی، امید ہے کہ اہلِ ذوق کو اس سے حظ روحانی بھی حاصل ہوگا، اور علمی استفادہ میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ مولانا محمد اویس صاحب ندوی کا مقالہ "سفرِ حج کے چند مشاہدات و تاثرات" اس مرتبہ وہ خدمت انجام دے رہا ہے جو پچھلے نمبر میں "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" والے مقالہ نے انجام دی تھی، امید ہے کہ وہ بڑے شوق و دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ میر ولی الدین صاحب کا مضمون اگرچہ ان کے اصل مقالہ کا ایک حصہ اور تتمہ ہے،

لیکن بجائے خود مکمل اور ان کے مضامین کی خصوصیات کا حامل ہے۔ خود حضرت مدیر "الفرقان" کا خط "عازم حج کے نام"، اس نمبر کا سب سے زیادہ جامع مضمون ہے جس سے حج کی رُوح اور قالب دونوں کے بارے میں رہنمائی اور بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مضامین سے حجاج کرام کو نفع پہونچائے، اور اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ سے ان مضامین کے لکھنے والوں اور اس رسالہ کے مرتب کرنے والوں کو بھی حج کے برکات وانوار میں شریک فرمائے۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

عازمینِ حج کی خدمت میں :-

دربارِ الٰہی اور بارگاہِ نبوی کے مسافرو! ہم فقیروں کی طرف سے محبّت بھرا اسلام اور اس سفر و توفیق پر دلی مُبارک باد قبول ہو۔

پورے ادب و احترام اور اخلاص کے ساتھ آپ کی خدمت میں آپ کے یہ مخلص خادم اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کے تجربہ کی روشنی میں یہ عرض کرتے ہیں کہ حج و زیارت کی یہ دولتِ خداداد بڑی قدر کی چیز ہے، یہ سعادت ہر ایک کی قسمت میں نہیں۔ یاد کیجئے اللہ کے اُن نیک بندوں اور اُن اہلِ دل بزرگوں کو جو ساری عمر حج کی تمنا کرتے اور اس کا گیت گاتے دنیا سے چلے گئے، اور اُن لاکھوں مسلمانوں کو جو اب بھی اس کے لئے تڑپتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو اپنے دربار میں بُلایا اور اس سعادت کا موقع عطا فرمایا، لیکن یہ آپ کی قدردانی، بلند حوصلگی، اور عالی ہمتی کا امتحان ہے، یہ عشق کی پُل صراط ہے، بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز، یہاں تیز گامی بھی ضروری ہے اور سبک روی بھی، یہ تن آسان گراں جان پست ہمت دوں فطرت، راحت طلب لوگوں کا راستہ نہیں۔ ؎

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد (حافظ شیرازیؒ)

آپ نے جب اس راستہ پر قدم رکھا ہے تو حوصلہ کو بلند کیجئے، ادنیٰ پر قناعت نہ کیجئے، دل کی پیاس بڑھائیے اور شوق کی آگ بھڑکائیے، کہ یہ "دولتِ بیدار" ہر ایک کو نہیں ملتی اور ہر روز نہیں ملتی۔ ؎

سر مدغم عشق بوالہوس را نہ دہند — سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار! — ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ہر لمحہ کو غنیمت سمجھئے، اور یوں سمجھئے کہ شاید یہ آخری موقع ہو، فرائض کی پابندی، نوافل کا اہتمام،

خدمت وایثار کی کوشش، اہلِ حرم کا احترام، جیرانِ رسول کی محبت وخدمت، لایعنی سے احتراز، دل آزاری وایذا رسانی سے قطعی پرہیز، شکستہ دلوں کی دل جوئی وغمخواری، کمزوروں معذوروں اور فقراء کی خدمتگذاری ذکر واستغفار کی کثرت حج کی مقبولیت وقیمت بڑھانے والے اعمال ہیں۔

حج کی حقیقت وروح اور اس کے ثمرات وبرکات حاصل کرنے کے لئے دراصل پہلے سے بڑی تیاری اور صحبت وتربیت کی ضرورت تھی، اگر برسہا برس اس کے لئے تیاری کی جائے تو کچھ بڑی بات نہیں، کچھ عجب نہیں کہ سیکڑوں اللہ کے بندوں کی طرح ہم کو بھی اس کا احساس ہو، اور ہم بھی صوفی صاحب کی زبان میں اس طرح گویا ہوں۔ ؎

یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بردوش جا پہونچا، مگر مرنا نہ سیکھا تھا

نہ رہبر تھا، نہ رہرو تھا، نہ منزل آشنا تھا میں — محبت کا سمندر، دل کی کشتی، ناخدا تھا میں
ہوائیں تھیں، تلاطم تھا، سفینہ ڈگمگاتا تھا — بڑا گہرا سمندر تھا، جدھر نظریں اٹھاتا تھا
وہ موتی تہ نشیں تھے، میں مسافر جن کا جویا تھا — کہاں موتی، کہاں میں، خود سفینہ ہی ڈبویا تھا

حج کی تیاری کیا ہے؟ قوتِ یقین، اللہ ورسول کی اطلاعات اور وعدوں پر کامل وبے تکلف اعتماد کی عادت، ذوق وشوق وحلاوتِ ایمانی، کسی قدر سوز وگداز، دعا کی قوت وعادت، ضبط وایثار کی مشق، یہ حج کا صحیح توشہ اور زادِ راہ ہے۔ قدم قدم پر اس کی کمی کا احساس ہوگا اور اس کی تلافی کسی مادی ذریعہ سے نہ ہو سکے گی۔ حاضری بیت اللہ، سعی وطواف، وقوف عرفات، قیامِ منیٰ، رمی جمرات، دعاء ملتزم، ہر موقع پر ہم کو اس کا احساس ہوگا کہ اگر پہلے سے اس کے لئے اپنے کو تیار کیا ہوتا اور ان مقامات سے مناسبت ہوتی تو آج کچھ اور ہی بات ہوتی، کاش کہ سفر کے لئے جو تیاریاں کی تھیں اس کا کوئی حصہ اس حقیقی تیاری میں بھی صرف کیا ہوتا، کیا عجب کہ اس وقت ہم زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں۔ ؎

ہزاروں منزلیں آئیں گئیں میں رہ گیا سوتا
دلِ بیدار ہی لیکر نہ پہونچا تھا تو کیا ہوتا

پھر اگر ہماری روح حبِ رسول سے لذت آشنا ہے اور دل ذوق وشوق سے معمور، سیرت کے واقعات حافظہ میں تازہ ہیں، اور عہدِ مبارک کے مناظر آنکھوں کے سامنے، صحابۂ کرامؓ ہماری چشمِ تصور میں

چل پھر رہے ہیں، تو ہم مدینۂ طیبہ کی پاک سرزمین پر صاف محسوس کریں گے اور برملا کہیں گے، کہ ؎

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا　　جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

یہیں جاں دادگانِ عشق کی بزم حسیناں ہے　　احد کا دامنِ زریں مگس رانِ شہیداں ہے

اگر کانِ شہادت کی طرف ہم کان دیتے ہیں　　تو یہ معلوم ہوتا ہے صحابہؓ سانس لیتے ہیں

نبی کے نطق کی حامل، مدینہ کی ہوائیں ہیں　　یہاں گونجی ہوئی اب تک صحابہؓ کی صدائیں ہیں

فضا خاموش ہو جاتی ہے جب تاروں کی چھاؤں میں　　تو ہنگام تہجد کی سکوت افزا فضاؤں میں

نبی کا نطق دل میں نور سینہ بن کے آتا ہے　　صحابہؓ کا تکلم ایک سکینہ بن کے آتا ہے

یہاں کا ذرہ ذرہ کھینچتا ہے دل کے دامن کو　　کہ او طائر کہاں؟ اب چھوڑ کر اپنے نشیمن کو

"صوفی"

پھر اگر ہم ان تمام منازلِ محبت سے کامیاب گذرے اور اللہ نے چشمِ بینا اور دلِ بیدار کی دولت سے نوازا ہے، اور ادراک و احساس کی آنکھیں مکۂ معظمہ میں جلال و عظمت اور مدینۂ طیبہ میں جمال و محبوبیت کے مشاہدہ سے محروم نہیں ہیں، تو ہم کو خود اپنی قسمت پر ناز ہوگا اور کیا عجب ہے کہ سرخوشی کے عالم میں کہتے ہوئے سُنے جائیں۔ ؎

نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

صد بار بوسہ زنم دستِ خویش را　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

لیکن اگر خدانخواستہ ہم بغیر کسی تیاری کے چل کھڑے ہوئے، ہم نے تیاری صرف یہ سمجھی کہ ہمارے پاس سفر کے مصارف اور سامان ہو، دل ذوق و شوق سے خالی، رُوح محبت کی لذت سے ناآشنا، دماغ حرمین کے ادب و عظمت سے ناواقف، آنکھیں بند، دل خوابیدہ، رُوح افسردہ، دماغ منتشر، تو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارا دل ہزاروں حسرتوں کی آماجگاہ اور ہماری زبان اس طرح مرثیہ خواں نہ ہو، کہ ؎

مری چشمِ محبت خونِ حسرت اب بھی روتی ہے

خبر اے کاش یہ ہوتی کہ حج کیا چیز ہوتی ہے

گیا حج کر کے لوٹ آیا، تو اب حسرت یہ ہے طاری

کہ پہلے سے نہ کی افسوس حج کرنے کی تیاری

"صوفی"

اس لئے اپنے دوستوں کی خدمت میں مخلصانہ عرض ہے کہ اگر یہ سطریں سفر سے پہلے نظر سے گذر جائیں تو وقت نکال کر اور حج کی ایک اہم ترین اور اولین ضرورت سمجھ کر اپنے میں ایمانی شعور و ذوق بیدار کرنے کی کوشش کریں، اور اس کا سب سے زیادہ موثر اور مختصر راستہ یہ ہے کہ چند دنوں کے لئے اپنے کو کسی ایسے ماحول میں رکھنے کی کوشش کریں جہاں یہ ذوق اور شعور پہلے سے موجود ہو اور وہاں اس کی تحریک و تربیت بھی ہو، ہماری نظر اور تجربہ میں اہلِ ذوق و اہلِ دل کی صحبت، تبلیغی اجتماعات اور تبلیغی قافلوں اور جماعتوں کی شرکت، اور کچھ تھوڑا سا ذکر و علم سے اشتغال اس کا بہترین ذریعہ ہے۔ آپ کا جو وقت اس ماحول اور اس حال میں گذرے گا وہ سفرِ حج اور اس کے ثمرات و منافع حاصل کرنے کے لئے نہایت مددگار اور بیحد بیش قیمت ثابت ہوگا۔

اگر جہاز یا حجاز سے پہلے ان معروضات کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہو تب بھی اس کا موقع ہے کہ آپ اپنے جہاز پر یا مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ میں ایسے لوگوں کو تلاش کریں جو دعوت و تبلیغ میں مشغول ہیں اور جن کی صحبت دین کی رُوح اور ذوق اور توجہ الی اللہ پیدا کرنے کے لئے بہت موثر اور مفید ہے۔ اگر طلبِ صادق ہوگی تو انشاء اللہ ہر جگہ آپ کو ایسے بندگانِ خدا مل جائیں گے جن کی صحبت و رفاقت سے اعمالِ حج رُوح سے معمور، اوقات ذکر، طلبِ علم، دعوتِ دین اور خدمتِ خلق سے مشغول ہو جائیں گے، لایعنی اور منافی حج اعمال و اشغال سے خود بخود حفاظت ہو جائے گی، اور اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس سفر سے نہ صرف ہم فریضۂ حج سے سبکدوش بلکہ ایک نئی دینی رُوح اور زندگی سے معمور اور دین کے داعی اور خدمت گذار بن کر واپس ہوں گے۔

سفرِ عشق

از حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ

ذیل میں مولانا مدنی مدظلہٗ کا ایک نہایت بیش قیمت مکتوب درج کیا جاتا ہے جس میں بڑے عارفانہ بلکہ عاشقانہ انداز سے حج کی روح اور اس کے اسرار بیان کئے گئے ہیں۔ حج کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اس تحریر کو خاص امتیاز حاصل ہے۔

یہ خط مولانا نے آج سے بائیس برس پہلے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو اُنکے سفرِ حج کے موقع پر لکھا تھا، لیکن خط کا اثر اور مضامین کی تازگی آج بھی قائم ہے۔

خوش قسمتی سے ہمیں اس کی ایک نقل مخدوم محترم جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے پاس سے مل گئی، جس کو ہم پہلی مرتبہ شائع کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ حجاج کرام اس سے اپنے ذوق و شوق کو بڑھائیں گے، اور اس "سفرِ عشق" کا اصلی زادِ راہ محبت و شوق حاصل کریں گے۔

"مدیر"

محترما! جناب باری عز اسمہ کی وہ صفات جو کہ مقتضی معبودیت ہیں، ان کا مرجع دو باتوں کی طرف ہوتا ہے، اوّل مالکیتہِ نفع و ضرر، دوم محبوبیت، اوّل کو جلال سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ثانی کو جمال سے، مگر یہ تعبیر ناقص ہے۔ جلال محض مالکیتہ ضرر پر متفرع ہوتا ہے جس طرح جمال اسبابِ محبوبیت میں سے صرف ایک سبب ہے۔ وجوہ محبوبیت علاوہ جمال کے کمال، قرب، احسان بھی ہیں، سبب اوّل یعنی مالکیتہ نفع و ضرر کا اقتضا معبودیت حدود عقل میں رہ کر ہونا ضروری ہے اس معبودیت میں عابد کی ذاتی غرض چونکہ باعث عبادت ہوتی ہے، یعنی طمع یا خوف یا دونوں، اس لئے یہ عبادت اس قدر کامل نہ ہوگی جس قدر وہ عبادات جس میں محض رضاء معبود مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ محبوب کی جو کچھ اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے اس سے محض اس کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہوتی ہے، لہذا ضروری تھا کہ دونوں قسموں کی عبادتیں

دین کامل میں ملحوظ ہوں قسم اول پر متفرع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول نماز و زکوۃ ہیں، اور قسم ثانی پر متفرع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول روزہ اور حج ہیں، روزہ محبوبیت کی منزلِ اول اور حج منزلِ ثانی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشق پر اولیں فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے، دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام کا اور آخر میں اعتکاف نے آکر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا، بحکم من شهد منکم الشهر فلیصمه اور من قام رمضان ایمانا الحدیث اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم احیٰی لیله اور من قام رمضان الحدیث وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا پتہ چلنا ضروری ہے اور چونکہ کمال صومی کے لئے محض مالوفات ثلثہ کا، جو کہ اصل الاصول ہیں، ترک مطلوب نہیں بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور مشتہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے من لم یدع قول الزور الحدیث اور رب صائم لیس له من صومه الا الجوع الحدیث اسکے شاہد عدل ہیں جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہوگیا، اس کے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جائے یعنی کوچۂ محبوب اور اس کے دار و دیار کی جبہ سائی کا فخر حاصل کیا جائے اسی لئے ایام صیام کے ختم ہوتے ہی ایام حج کی ابتدا ہوتی ہے، جن کا اختتام ایام نحر (قربانی) پر ہے۔ کوچۂ محبوب کی طرف اُس عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو معمولی طریقہ پر نہ ہوگا، نہ اُس کو سر کی خبر ہوگی نہ پیر کی، نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا، نہ لوگوں سے جھگڑنے اور لڑنے کا فکر فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج - کہاں عشق اور کہاں آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں، کہاں قلبی اضطراب اور کہاں شہوت پرستی اور آرام طلبی، نہ سرمہ کی فکر ہوگی نہ خوشبو اور تیل کا دھیان، اس کو آبادی سے نفرت، جنگل اور جنگلی جانوروں سے الفت ہونی ضروری ہے وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما۔ سیر و شکار جو کہ کار بیکاراں ہے ایسے عشاق اور مضطرب نفوس کے لئے بیحد نفرت کی چیز ہوگی واذا حللتم فاصطادوا۔ اس کی تو دن و رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اس کے نام کو جپنا، اپنے تن بدن کو بھلا دینا، دوست احباب، عزیز و اقارب، راحت و آرام کو ترک کر دینا۔ نہ نیند آنکھوں میں بھلی معلوم ہوگی، نہ لذائذ اطعمہ اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ و البسہ کا شوق ہوگا۔ ؎

یوادی هواه ثم یکتم سره ویخشع فی کل الامور ویخضع

جوں جوں دیارِ محبوب اور ایامِ وصال کی قربت ہوتی جائے گی اسی قدر ولولہ اور فریفتگی اور جوشِ جنوں میں ترقی ہوتی رہے گی۔ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

اندنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

خونِ دل پینے کو، اور لختِ جگر کھانے کو یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

نو بہار ست جنوں چاک گریباں مددے

آتش افتاد بجاں جنبشِ داماں مددے

قریب پہونچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رہے سہے میلے کچیلے کپڑوں کو نکال کر پھینک دیتے ہیں، اس وادیٔ عشق میں گریبان و دامن سے کیا کام۔ ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک

اس کو سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

دن رات محبوب کی رٹ پپیہا کی طرح لگی ہے (تلبیہ پڑھ رہے ہیں)۔ ؎

انت پھرت پیو پیو کنارے ہمرے پیا تو بدیس سدھارے

برہا روگ سے تلپت جیو اب جن بول پپیہا پیو!

اگر غم ہے تو محبوب کا، اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پی کی، اگر خیال ہے تو دلبر کا۔ ؎

عشق میں ترے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو

عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہونچتے ہیں تو اس کے در و دیوار کے ارد گرد دیوانہ وار پوری فریفتگی کے ساتھ چکر لگاتے ہیں کہیں چوکھٹ پر سر ہے تو کہیں دیواروں اور پتھروں پر لب ہیں۔ ؎

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذالجدار وذالجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من نزل الدیارا

کسی نے اگر جھوٹی بھی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلاں جگہ نمودار ہونے والا ہے تو بے سر و پیر ہو کر دوڑتے ہوئے وہاں پہونچے نہ کانٹوں کا خیال ہے، نہ راستے کے پتھروں کی فکر ہے، نہ گڑھوں میں گرنے کا

خطرہ ہے، نہ پہاڑوں کی سختیوں کا ڈر ہے، مجنونِ بنی عامر کا سماں بندھا ہوا ہے، بدن میں اگر جوئیں پڑی ہیں تو کیا پرواہ ہے، اہلِ عقل اور اہلِ زمانہ اگر پھبتیاں اُڑاتے ہیں تو کیا شرم۔ سہ

جب پیت بھئی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا، اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

اگر ناصح نادان معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جس طرح آگ پر پانی کے چھینٹے اس کو اور بھڑکا دیتے ہیں، اسی طرح آتشِ عشق اور بھڑک جاتی ہے، نادان ناصح کو پتھر مارتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ ۶

"ناصحا مت کر نصیحت، دل مرا گھبرائے ہے"

دبهجتی یا عاذلی الملك الذی اسخطت کل الناس فی ارضائه
فومن احب لا عصینك فی الهوی قسماً به دبحسنه دبهائه

میرے محترم!

یہ تھوڑا سا خاکہ حج اور عمرہ کا ہے، اگر دل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو تو زندگی ہیچ ہے، وہ انسان انسان نہیں جس کے دل، دماغ، رُوح، اعضاءِ رئیسہ، محبوبِ حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہیں۔ یہاں عقل کے ہوش گم ہیں، جس قدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی، اور جس قدر بھی اضطراب و بے چینی ہوگی اُسی قدر یہاں کمال شمار کیا جائے گا۔ سہ

موسیا آداب داناں دیگر اند
سوختہ جان و رواناں دیگر اند
کفر کافر را و دیں دیندار را
ذرۂ دردت دلِ عطار را

عقل اور حیا کے مقید ہونے والے عشاق آرام و راحت کے طلب گار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں۔ سہ

عشق چوں خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ
پختہ مغزانِ جنوں را کے حیا زنجیر پاست

اس وادی میں قدم رکھنے والے کو سر فروشی اور ہر قسم کی قربانی کے لئے پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے۔ آرام اور راحت، عزت اور جاہ کا خیال بھی اس راہ میں سخت ترین بلکہ بدترین بدنام کرنے والا گناہ ہے۔ ؎

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد
یقین میداں کہ آں شاہ نکونام
بدست سر بریدہ مید ہد جام ؎

مولانا المحترم!

اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھتے ہیں اور پھر ہتلی کا، سر کے چکر کا، بیماری کا، ضعف کا، تکلیف کا، عزت وجاہ کا فکر ہے۔ افسوس ہے، مردانہ وار قدم بڑھایئے، اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھئے، اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانیئے۔ پسِ پردہ طوطی صفت کون کرا رہا ہے، مجنوں کو لیلیٰ کے کاسہ توڑ دینے پر رقص ہوتا ہے، جس سے وہ اپنے خاص تعلق کا اثبات کرتا ہے، اور آپ یہاں جھجکتے ہیں۔ کلا واللہ، کلا واللہ۔ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل، قول صادق امین ہے۔ قیمۃ المرء ھمتہ۔ ؎

بقدر الجد تکتسب المعالی   ومن رام العلی سھر اللیالی

سوائے رضا محبوب حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیئے۔ ؎

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کُن!
کیں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم!

"بجوش درنجروش وہیچ مفروش" ؎

مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی دیوانگی کی بڑ میں آپ کا بہت وقت ضائع کیا، مگر کیا کروں کہ اہلِ چشت کا دریوزہ گر ہوں اُن کی نسبت اپنا کھیل اور رنگ دکھاتی ہی ہے۔

سفرِ حجاز کے بعض مناظر اور تأثرات

(از جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

"مولانا موصوف نے گذشتہ سے پیوستہ سال (۱۳۶۷ھ م ۱۹۴۸ء) میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں حجاز کا سفر کیا تھا، مولانا کا یہ مضمون اُسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔"
"مدیر"

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

ستمبر ۱۹۴۸ء کی پانچ اور عربی حساب سے شوال المعظم ۱۳۶۷ھ کی بیسؔ تاریخ تھی کہ شام کو ۵ بجکر بیس منٹ پر مغل لائن کے اسلامی جہاز نے اٹھارہ سو مسافروں کو لے کر جدّہ کے قصد سے بمبئی کا ساحل چھوڑا۔ ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفانِ موج افزا
سر افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

وطن (نگرام) سے ۲۱ اگست ۱۹۴۸ء کی صبح کو لکھنؤ کے لئے، اور لکھنؤ سے ۲۲ اگست کی دوپہر کو بمبئی کے لئے روانگی ہوئی تھی، اور بحمد اللہ اب اس مبارک سفر کے لئے کوئی ظاہری رکاوٹ بھی معلوم نہیں ہوتی تھی، مگر ؎

عشق است وہزار بد گمانی

اندر ہی اندر دل ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی مانع نہ پیش آجائے! بارہ دن کے انتظار کے بعد جہاز روانہ ہوا۔ خیال تھا کہ بدگمان دل اب سکون پائے گا، مگر اس دیوانہ کے مقدر میں اطمینان و آرام

کہاں؟ اب فکر یہ ہے کہ جہاز آج کے بارھویں دن جدّہ پہونچے گا، اور قسمت کو اپنا رنگ دکھلانے کیلئے بارہ دن اور بارہ گھنٹے کیا بارہ منٹ بھی بہت ہیں۔ بہرحال جسم کو جہاز جدّہ کی طرف لئے جارہا ہے، مگر دل اُمید وبیم کی کشمکش میں مبتلا، کبھی شاداں وفرحاں کبھی لرزاں وترساں ایک بے نیاز بارگاہ میں حاضر، اور اُسی کی طرف متوجہ ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سمندر کے سفر کے ابتدائی آٹھ دن تو اس شان سے گذرے کہ اوپر نیلگوں آسمان تھا اور نیچے نیلگوں پانی، اور پانی کی سطح پر ہزاروں ٹن کا وزنی جہاز خس وخاشاک سے بھی زیادہ بے وقعت اور سمندر کی کوہ پیکر موجوں کا کھیل بنا ہوا تھا، مگر سبحان اللہ! انسانی عقل بھی کیا عجیب عطیۂ خداوندی ہے۔ سمندر کے اندر یہی حقیر اور بے وقعت جہاز موجوں سے ٹکر لیتا ہوا، پانی کو کاٹتا ہوا آگے بڑھتا ہی جارہا تھا۔ "سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین"۔

غالباً ساتواں دن تھا کہ جہاز کے قریب دو ایک چڑیاں نظر آئیں، سیکڑوں آدمی ان چڑیوں کو دیکھنے اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر جہاز کے بالائی حصّہ پر آگئے۔ اہلِ تجربہ نے بتلایا کہ چڑیوں کا نظر آنا اِس بات کی نشانی ہے کہ ساحل کہیں قریب ہے۔

اب تک ہم بحرِ ہند میں چل رہے تھے، لیجئے بحرِ احمر آگیا، اب ہمارے داہنے ہاتھ پر جزیرۃ العرب اور بائیں ہاتھ پر صحرائے افریقہ ہے، سبحان اللہ! آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں؟ وہ عدن کی پہاڑیاں اور عدن کے بعد مکلّا اور بوشہر کی پہاڑیاں۔ ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھا کروں، کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

نہیں معلوم کیا بات تھی کہ نگاہیں ان پہاڑیوں کو دیکھنے سے تھکتی نہ تھیں، بلکہ "نظارہ زجنبیدنِ مژگاں گلہ دارد" کی کیفیت تھی۔ جی چاہتا تھا کہ ان پہاڑیوں سے لپٹ لپٹ کر رو دیجئے، اور رودادِ غمِ فراق ان کو کچھ اس طرح سنائیے کہ پہاڑیاں بھی لرز اٹھیں اور پتھر کا کلیجہ بھی دہل جائے۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہاڑیاں بالکل بے آب وگیاہ، خشک، اور جھلسی ہوئی ہیں، مگر اپنے

ادراک واحساس نے جو محبوبیت و رعنائی اور شانِ دل آویزی اس کوہستانی سلسلہ میں پائی اُسکی یاد آج بھی تازہ ہے۔

کامران میں ٹھہرنا نہیں ہوا، اب یلملم کا انتظار تھا۔ انھیں دنوں جہاز میں یلملم کے متعلق اہلِ علم کے درمیان ایک دلچسپ مذاکرہ جاری تھا، سوال یہ تھا کہ یلملم کو ہندوستانیوں کی میقات کس طرح قرار دیا جاتا ہے؟ یلملم سعدیہ کے پہاڑوں سے ایک پہاڑ ہے، اور یمن والوں کا میقات ہے! ہندوستان سے جانے والے یہاں صرف اس لئے احرام باندھ لیتے ہیں کہ اُن کا جہاز اُس میقات کے سامنے سے گذرتا ہے" سامنے سے گذرنے" کی حقیقت یہ ہے کہ کپتان کے بتلانے کے بموجب یہ پہاڑ جہاز سے ستر، پچھتر میل کے فاصلہ پر ہے، دُوربین سے بھی دکھلائی نہیں دیتا ہے۔ کپتان سے دریافت کیا گیا کہ پھر آپ احرام کے لئے سیٹی کس حساب سے بجواتے ہیں، تو اُس نے کہا کہ جہاز کی رفتار کے حساب سے ہم یہ اندازہ کرتے ہیں کہ اب جہاز یلملم کے سامنے سے گذر رہا ہے، اسی اندازہ کے بموجب سیٹی بجوائی جاتی ہے۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ اس درجہ کی محاذاۃ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں؟۔ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی بات پایۂ تحقیق کو نہ پہونچ جائے موجودہ میقات ہی سے احرام باندھا جائے گا، مگر یہ مسئلہ علمائے محققین کے لئے قابلِ توجہ ہے!۔ جیسے جیسے یلملم قریب آرہا تھا حجاج میں احرام باندھنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اٹھارہ سو مسافروں میں ہمارا تین آدمیوں کا قافلہ پہلے مدینۂ طیبہ (صلے اللہ علیٰ صاحبہا) کی حاضری کا قصد کر چکا تھا، ہماری رفاقت کے خیال سے اعظم گڈھ کے نیک دل اور خوش صفات احباب، نیز مرادآباد کے دس احباب بھی عازمِ مدینہ ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم لوگوں کیلئے یلملم میں احرام کا کوئی سوال نہ تھا۔

مگر قریب کے رفقاء کے لئے ہم لوگ موضوعِ بحث بن گئے، اور بحث نے نوعیت یہ اختیار کی کہ حج سے پہلے مدینہ جانا جائز بھی ہے یا نہیں؟۔ بحث و مباحثہ کے لئے طبیعت مطلقاً تیار نہ تھی، انتہائی عاجزی کے ساتھ ان صاحبوں کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ مجبور کرنا تو درکنار ہم میں سے کوئی آپ لوگوں کو پہلے مدینۂ منورہ چلنے کا مشورہ بھی نہیں دیتا ہے، لہذا آپ کا بگڑنا تو بالکل بے محل ہے، باقی رہا دینی اخوت کی بنا پر آپ کو مشورہ کا حق ضرور حاصل ہے، تو اس کے متعلق

یہ عرض ہے کہ مستند کتابوں سے ہم اپنا اطمینان کر چکے ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں بھی آپ پریشان نہ ہوں۔
حج و زیارت سے متعلق تمام کتابوں میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر حاجی مدینہ کے راستے سے آرہا ہے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے زیارت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سعادت حاصل کر لے تب حج کے لئے آئے، اور اگر راستے میں مدینہ نہیں پڑتا ہے اور حج نفل کا ہے تو اختیار ہے کہ چاہے پہلے حج کرے یا پہلے مدینہ حاضری دے۔
البتہ اگر حج فرض ہے تو اس کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے حج کرلے تب مدینہ طیبہ حاضر ہو۔ واضح رہے کہ معاملہ جواز اور عدم جواز کا نہیں، افضل اور غیر افضل کا ہے۔ اور اس میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اگر وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ بہ آسانی حج کے وقت تک مدینہ سے لوٹ سکتا ہے تو یہ افضلیت اور غیر افضلیت کا معاملہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابن حجر ہیثمی کی "الجوہر المنظم"۔

پنجشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء مطابق ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ کو صبح ہی سے جہاز میں دھوم مچی تھی کہ آج ہندوستانی گھڑیوں کے حساب سے دن کے دو بجے تک جدہ پہونچ جانے کی توقع ہے۔ وہ دیکھئے جبہ بردوش عرب ایک موٹر لانچ سے آیا اور لکڑی کے بالکل کھڑے زینہ پر جو رسی کے ذریعہ لٹکا دیا گیا ہے کھٹ کھٹ جہاز کے اوپر آگیا، اور انگریز کپتان نے جہاز اس کے سپرد کر دیا۔ حجاج قطار در قطار جہاز کے عرشہ پر کھڑے جدہ کی سمت نظر جمائے ہیں، جن کے پاس دوربین ہے وہ دوربین لگائے ہیں۔ جہاز کا عملہ اس وقت بہت مشغول ہے، مختلف رنگ کے جھنڈے ڈوری کے ذریعہ سب سے بلند مقام پر لگائے جارہے ہیں۔
حجاج کا سامان کشتیوں پر اُتارنے کے لئے مشین ٹھیک کی جارہی ہے، وہ لیجئے لوگ ہاتھ کے اشارہ سے ایک دوسرے کو کچھ دکھلا رہے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ کبوتروں کے کابک جیسی کوئی چیز معلوم ہو رہی ہے، کوئی کہتا ہے کہ جی نہیں اونٹ قطار در قطار کھڑے ہیں۔ لیجئے جہاز جدہ کے قریب پہونچ گیا، جنھیں کبوتروں کی کابک اور اونٹوں کی قطار سمجھا گیا تھا وہ تو بڑی لق و دق عمارتیں نکلیں۔ یقین کیجئے کہ آج اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا، کہاں ہم اور کہاں عرب کی سرزمین،

ذوق وشوق کہتا تھا کہ پورے جدّہ کو اپنی نگاہوں میں رکھ لیجئے۔ جہاز لنگر انداز ہوا، اور کشتیوں نے جہاز کا محاصرہ کرلیا۔ عرب ملّاحوں سے اور مسافروں سے گفتگو شروع ہوگئی، کیسا دلچسپ منظر تھا۔ لیکن ان ملاحوں کی بات کون سمجھے۔

زبان یار من ترکی ومن ترکی نمے دانم

ہم ہندوستان کے عربی پڑھے لکھے لوگوں کی عربی دانی کی قلعی کھلنا شروع ہوگئی، مگر خدا کا شکر تھا کہ ندوہ کے طرزِ تعلیم نے اپنی تو آبرو رکھ لی، ایک موٹر لانچ ہم تیرہ چودہ آدمیوں کیلئے طے پاگیا۔ بدوی ملّاح نے پوچھا کہ "مضبوط" یعنی بات اب پکّی ہوگئی، ادھر سے اثبات میں جواب دیا گیا تو اُس نے اپنا رومال ہمارے پاس پھینک دیا، گویا یہ قول وقرار کے پختہ ہوجانے کی نشانی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ملّاح اور ان کے آدمی جہاز پر آگئے، گو ان کی بولی زیادہ سمجھ میں نہیں آتی تھی تاہم ان کو دیکھ کر اور ان کی بات سُن سُن کر جی خوش ہوتا تھا۔

ہمارا سامان شرط کے بموجب کشتی والوں نے خود اُتارا، بالا کیبی سے ایک چیز بھی ہم نے نہیں جانے دی، گو اس وقت یہ سودا دوسروں کے مقابلہ میں ہم کو نسبتاً گراں پڑا تھا، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ نہیں، ہم ہی بڑے نفع میں تھے، جن لوگوں کا سامان بالا کیبی سے گیا اُن میں سے بعض کو زیادہ اور اکثر کو کچھ نہ کچھ نقصان اُٹھانا ہی پڑا۔

موٹر لانچ نے جدّہ کی آبادی کا رُخ کیا۔ اب دم بدم اور لحظہ بہ لحظہ ہم شہر سے قریب ہوتے جاتے تھے، یہ لیجئے کشتیوں کا پلیٹ فارم آگیا، بسم اللہ کہہ کر سرزمین حجاز پر قدم رکھے، دل آج کاتبِ تقدیر کے سامنے بے حد شرمندہ ہے، نہیں معلوم تھا کہ قسامِ ازل نے آج کا مُبارک دن بھی رکھا تھا، ورنہ اپنی تقدیر سے بدگمانی کا جرم کبھی بھی سرزد نہ ہوتا۔

کشتی سے اُترے، منٹوں میں بندرگاہ جدّہ کے قانونی مراحل طے ہوئے، اور اب ہم شہر جدّہ کی سب سے بڑی اور سب سے عمدہ سڑک پر کھڑے تھے۔ چاروں طرف امریکن طرز کی عمدہ اور عالی شان عمارتیں، وسط میں خوشنما پارک زیرِ تعمیر۔

یہیں پہلی مُلاقات جناب مولانا محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ سے ہوئی،

اس کے بعد ہم لوگ اپنی جائے قیام پر روانہ ہوئے۔ جدّہ میں مدینۂ منورہ جانے والے موٹر کے انتظار میں چار دن قیام رہا، اس چہار روزہ قیام میں جدّہ کو خوب دیکھا بھالا، اس سرزمین کے ہر ٹکڑے سے محبت و الفت کی بو آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمیشہ کا دیکھا بھالا مقام ہے۔ اجنبیت کا احساس کہیں نام کو بھی نہیں ہوا، دیدۂ شوق نے جی کھول کر اپنی آرزو پوری کی، پھر بھی جذبۂ عقیدت کو اپنی کم ہمتی کا شکوہ ہی رہا۔

جدّہ میں مکّہ کی یاد:-

جدّہ کے چہار روزہ زمانۂ قیام میں دل پر ایک چوٹ برابر لگتی رہی۔ مناسب ہے کہ اُس چوٹ کا حال آپ بھی جان لیں، شائد کچھ کام ہی آجائے۔ پہلے مدینۂ منورہ (صلی اللہ علیٰ صاحبھا) کی حاضری کا قصد ہم لوگوں نے دّو وجہوں سے کیا تھا، ایک تو یہ کہ حج کا احرام ہم ذوالحلیفہ میں مسجد شجرہ میں باندھیں گے تاکہ ارکانِ حج کی ابتدا اُسی جگہ سے ہو جس جگہ سے حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے اپنے حج کی ابتدا فرمائی تھی۔ دوسرے یہ کہ حجاج سے سنا تھا کہ حج کے بعد عموماً لوگوں کے ذوق و شوق میں کمی آجاتی ہے، اور مدینۂ طیبہ (صلی اللہ علیٰ صاحبھا) اس طرح حاضری دیتے ہیں کہ جسم مدینہ میں ہوتا ہے اور خیال جدّہ کی بندرگاہ میں۔

ہمارا جی چاہتا تھا کہ ہم حضور نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی خدمت میں سراپا ذوق و شوق بن کر حاضر ہوں، مگر جدّہ پہونچ کر کعبہ کی روحانیت نے کچھ ایسی جذب و کشش فرمائی کہ زیارتِ کعبہ کے بغیر آگے بڑھ جانے کا خیال صریحاً سوء ادب معلوم ہوا۔ اللہ جزائے خیر دے فقہاءِ اُمّت کو یہ حضرات قلوبِ انسانی کے کیسے طبیب تھے، زیارتِ مدینہ کے باب میں لکھتے ہیں کہ جس حاجی کے راستے میں مدینہ پڑتا ہے اور وہ حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی زیارت کے بغیر آگے بڑھ آئے تو یہ سوء ادب ہے اور سنگدلی کی نشانی ہے۔ بعینہ یہی کیفیت مکّہ چھوڑ کر مدینہ جانے والے حاجی نے محسوس کی!۔

وکیل سے کہا گیا کہ ہمارے لئے پہلے مکہ ہی جانے کا انتظام فرما دیجئے، مگر انھوں نے

معذوری ظاہر کی اور فرمایا کہ آپ پہلے مدینہ جانے کے لئے کرایہ جمع کر چکے ہیں اس لئے اب ممکن نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے پہلے مدینۂ طیبہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) کی حاضری میں کوئی قباحت نہ تھی، مگر یہ ایک دل کی بیتی تھی جس کا سنانا ضروری تھا۔

اس سلسلہ میں اہلِ حدیث جماعت کے ایک عالم صاحب نے بہترین راہ اختیار فرمائی، انھوں نے کیا یہ کہ یلملم میں عمرہ کا احرام باندھ لیا، جدّہ اتر کر سیدھے مکۂ معظمہ گئے اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینۂ طیبہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) میں حاضری دی، اور حج سے پہلے پھر مکۂ معظمہ آ گئے۔ اس میں غالباً چالیس پچاس روپیہ کا خرچ ضرور بڑھ جاتا ہے[1] لیکن میرے نزدیک یہ بہت مناسب صورت ہے۔

بہرحال اب ہم مدینۂ طیبہ کے لئے چشم براہ تھے۔ وکیل صاحب صبح و شام موٹر کا وعدہ فرماتے تھے۔ اتفاق دیکھئے کہ ۲۰ ستمبر (مطابق ۱۶ ذی قعدہ) کو مغرب کی نماز ہم نے جس مسجد میں پڑھی، اُسی میں شیخ محمد مظہر ندوی بھی تشریف لائے، شیخ محمد مظہر شیخ عبدالرحمٰن مظہر (جو ہندوستانی حجاج کے معلموں کے "رئیس المطوفین" ہیں) ان کے چھوٹے بھائی ہیں، اور جدّہ میں وزارت خارجہ کے دفتر میں کام کرتے ہیں، ندوہ میں میرے رفیق درس تھے، بڑی محبت سے ملے، فوراً اپنے عالیشان مکان لے گئے، اور پر خلوص انداز میں شکایت بھی کی کہ ہمارے یہاں کیوں نہ ٹھہرے، ندوہ کا حال پوچھتے رہے۔ بعد میں ہم نے کہا کہ ہم لوگ مدینہ کے انتظار میں یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، اور ابھی تک کوئی صورت نہیں نکلی ہے۔ یہ بے چارے ہمارے ساتھ وکیل کے یہاں آئے اور تاکید کی کہ فوراً موٹر کا انتظام کرو، اور مدینہ جانے والا پہلا موٹر ان کے قافلہ کو ملنا چاہیئے۔ شیخ مظہر کی مؤثر گفتگو کے جواب میں وکیل صاحب نے فرمایا کہ (حین) یعنی ابھی ابھی۔ مظہر صاحب ہم کو رخصت کر کے گھر گئے اور ہم نے عشا کی نماز پڑھی، عشا کی نماز کے بعد ہی لاری آ گئی، اور ہم لوگ مدینۂ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

---

[1] چالیس پچاس نہیں بلکہ اس صورت میں صرف پندرہ بیس روپے کے زیادہ خرچ ہوتے ہیں۔ "نعمانی غفرلہ"

جدہ سے رابغ تک ریگستانی اور رابغ سے مدینۂ منورہ تک کوہستانی سلسلہ ہی منزل بمنزل رکتے ہوئے ۲۲ ستمبر ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ) کی شام کو ہم مدینۂ منورہ (صلے اللہ علیٰ صاحبہا) پہونچے۔ راستہ کے کوہ وبیابان عقیدت ومحبت کی نگاہ میں کچھ ایسے بس گئے کہ اُنکی تصویر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔

بار بار خیال آتا تھا ممکن ہے کہ ان پہاڑیوں میں سے کسی خوش نصیب پہاڑی پر جناب رسُول کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی نظر پڑی ہو۔ ممکن ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور خاندانِ نبوت کے افراد کبھی یہاں تشریف لائے ہوں۔ غازیانِ اسلام کے گھوڑوں نے ممکن ہے کہ ان گذرگاہوں کو کبھی اپنے قدموں سے روندا ہو، اسی لئے ان پر انوار دشت وجبل کو عینکوں کے رنگین شیشوں کی آڑ سے دیکھنا دیدۂ شوق کے تحمل سے باہر تھا، آخر اس حجابِ رنگیں کو الگ ہی کرنا پڑا۔

۲۲ ستمبر کو عصر کے اوّل وقت ہم ذوالحلیفہ (موجودہ نام بیر علیؓ) پہونچے، یہاں مسجد شجرہ کی تلاش شروع کی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا اور یہیں احرام زیب تن فرمایا تھا، بعد کو یہاں مسجد بنادی گئی، اور مسجد شجرہ کے نام سے اس کی شہرت ہوگئی۔ یہ مسجد منزل ذوالحلیفہ سے ذرا فاصلہ پر ہے اور عام حجاج وہاں نہیں پہونچتے ہیں، یہ اب بالکل شکستہ محض پتھروں کا ڈھیر ہے۔ معلوم ہوا کہ ابھی قریبی زمانہ میں کوئی سیلاب آیا تھا جس میں مسجد کی عمارت گر گئی، اور اب تک بننے کی نوبت نہیں آئی۔

الحمدللہ کہ ہمارے پورے قافلے نے اس پر انوار جگہ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کیا۔ یہاں سے مدینۂ منورہ بالکل قریب ہے، آن کی آن میں موٹر پہونچنے والا ہے۔ اس وقت سارا ذوق وشوق گم، اور الفت ومحبت کے سب دعوے بھولے ہوئے ہیں، صرف کسی کا جلال یا جمال ہے جس کی نگرانی میں قافلۂ دل آگے بڑھ رہا ہے۔

سبحان اللہ! وہ مدینہ کے آثار نظر آنے لگے، لیجئے بابِ عنبریہ آگیا، موٹر ڈرائیور باوجود ہر طرح کی خاطر ومدارات کے اپنے مقررہ ٹھکانے سے پہلے ہم کو اُتارنے کے لئے تیار نہ ہوا، تھوڑی دیر میں ہمارا موٹر مدینۂ منورہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) کے ایک بڑے بازار میں کھڑا تھا۔ یہاں

شیخ المزورین بہاء الدین خاشقجی کے وکیل عثمان صاحب ملے۔ عصر کا وقت ذوالحلیفہ میں آ چکا تھا، مگر خیال تھا کہ مدینۂ منورہ پہونچ کر مسجد نبوی (صلے اللہ علیٰ صاحبہا) میں نمازِ عصر ادا کریں گے، اب پورا قافلہ منتظر ہے کہ موٹر یہاں سے چلے اور ہم کو حسب قاعدہ ہمارے ٹھکانے پر پہونچائے، مگر ڈرائیور صاحب لاپتہ ہو گئے۔ عثمان صاحب نے مشورہ دیا کہ سامنے مسجد سیدنا عمرؓ ہے اسی میں عصر پڑھئے، مگر بقول خواجہ صاحب کے۔ ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا!

اب آج تو اسی مسجد میں نماز پڑھنے کا جی چاہتا ہے جس کو ذاتِ نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) اسے شرفِ انتساب حاصل ہے، اور جس کے ایک گوشہ میں وہ ذاتِ اقدس (صلے اللہ علیہ وسلم) آج بھی جلوہ افروز ہے۔ مجبوراً پورے قافلہ اور موٹر کو چھوڑ کر راقم سطور اور ہمارے رفیق نسیم صاحب نگرامی، مسجد نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف چل پڑے۔

چل تو پڑے مگر راستہ نہیں معلوم! اور لطف پر لطف یہ کہ نہیں معلوم کیوں ہمت نہیں پڑتی ہی کہ مسجد نبوی کا نام لے کر کسی سے راستہ معلوم کریں، دو ایک صاحبوں سے مدرسۂ علوم شرعیہ (جو مسجد نبویؐ سے بالکل ملا ہوا ہے) کا پتہ ضرور دریافت کیا، اُس کے بعد تو قدم خود بخود اُٹھتے ہی گئے جیسے کوئی مقناطیسی قوت اپنی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔ لیجئے! وہ گنبدِ خضرا نظر آیا، اور وہ سامنے باب السلام۔ اللھم صل وسلم علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلِ محمد۔ بعدد کل شیئ معلوم لک۔

اُردو تو خیر عربی اور فارسی کی تمام مستند کتابیں جو زیارتِ مدینہ کے آداب کے متعلق مل سکیں ان سب کو آج ہی کے دن کے لئے پڑھ ڈالا تھا، مگر نہیں معلوم تھا کہ ہوش وحواس اس خاص موقع پر ساتھ چھوڑ دیں گے، اور دل ودماغ آج صاف جواب دے دیں گے۔

اب تو قدم بھی نہیں اُٹھ رہے ہیں، ہم دونوں ایک دوسرے کو سہارا دے کر ٹھہر گئے، تھوڑی دیر بعد پھر آگے بڑھے، اور دبے پاؤں ڈرتے کانپتے باب السلام سے مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل ہوئے۔ جماعت ہو چکی تھی، نماز ادا کی، اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے اس نعمتِ عظمیٰ سے

سرفراز فرمایا، اب بارگاہِ نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) میں حاضری کی باری تھی۔
حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ نے مناسکِ حج، نیز اس موقع کیلئے کچھ مخصوص ہدایتیں فرمادی تھیں، الحمد للہ حضرت شیخ کی برکت و توجہ سے یہ منزل بھی طے ہو گئی۔

ہم بارہ دن مدینۂ طیبہ (صلے اللہ علیٰ صاحبہا) میں ٹھہرے۔ یقین کیجئے کہ مدینہ کے گلی کوچے، مدینہ کے بازار، مدینہ کے درودیوار، اور مدینہ کی فضا میں کچھ ایسی کیفیت محسوس ہوئی کہ سو جان سے نثار ہونے کا جی چاہا، یہاں کی خاک پاک کے ہر ذرہ سے ہم کو محبت کی بو آئی۔ عہدِ نبوت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لے کر اس وقت تک کی یہاں کی اسلامی تاریخ کے سب اہم واقعے ہم کو یاد آئے۔

"نگاہِ تصور نے مسجد نبوی[1] میں بالخصوص روضۃ الجنۃ میں صحابۂ کرامؓ کا مجمع دیکھا، محرابِ النبی[2] اور محرابِ التہجد[3] کے پاس حضور نبیِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو سر بسجود پایا، اسطوانہ وفود[4] کے پاس باہر کے آئے ہوئے وفود کو بارگاہِ نبوت میں باریاب ہوتے ہوئے دیکھا، اسطوانہ حرس[5] کے پاس جاں نثارانِ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پہرہ دیتے ہوئے دیکھا۔ اسطوانہ ابی لبابہ[6] میں سیدنا ابو لبابہ کو بندھے دیکھا، اور پھر دیکھا کہ حضرت نبیِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) اُن کو اپنے دستِ مبارک سے کھول رہے ہیں۔ اسطوانہ سیدتنا عائشہؓ کے ارد گرد خواصِ اُمت کے

ہجوم کو دیکھا کہ نماز و دعا میں مشغول ہیں۔ گوشِ تخیل کو منبر شریف سے صحابہؓ کے درمیان حضورؐ کے مواعظ اور صفۂ نبوی سے اصحابِ صفہ کو تلقین و تعلیم کی آوازیں سنائی دیں۔

اور اس مبارک زمین کے اس مقدس حصہ کا حال آپ سے کیا بیان کیا جائے کہ جہاں سید المرسلین، حبیب رب العالمین حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) مع اپنے دونوں رفیقوں اور وزیروں کے آج بھی جلوہ افروز ہیں۔ اللہ ہر مسلمان کو یہاں کی حاضری سے سرفراز کرے۔ وہ گھڑی بھولنے والی نہیں، جبکہ ایک سیہ کار و گنہگار نے مواجہۂ شریف میں عرض کیا تھا کہ "یا رسول اللہؐ کفار بھی اگر سائل بن کر اس دربار میں آئے تو محروم واپس نہیں گئے، ہم اپنے اعمال کے لحاظ سے جیسے بھی ہیں مگر الحمد للہ کہ عقیدۃً آپ کے دین کے ماننے والے، اور آپ کے طریق کے چاہنے والے ہیں، اس لئے یا رسول اللہؐ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے ہم محروم و ناکام واپس ہوں۔

قسم ہے رؤف و رحیم خدا کی کہ اُس نے "بالمومنین رؤف رحیم" جس

ذات کا وصف اپنی کتابِ مبین میں بیان فرمایا ہے اُس کی رأفت و رحمت نے

ہر طرح کی دستگیری فرمائی"۔

صلے اللہ علیہ وسلم

بارگاہِ نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) میں عرض و معروض کے سلسلہ میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے متصل باب جبرئیل کے قریب قبلہ کی سمت شیخ الاسلام عارف حکمت بے کا بے نظیر کتب خانہ ہے، اس کتب خانہ کے بالکل مقابل حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا وہ مکان ہے جس میں حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) ہجرت کے موقع پر مہمان اُترے تھے۔

عارف حکمت بے تیرھویں صدی کے مشہور ترک علماء میں تھے، مدینہ منورہ میں قاضی ہو کر آئے تھے ۱۲۷۰ھ میں انھوں نے اس کتب خانہ کی بنیاد ڈالی، اپنی جائداد اور دولت کا بڑا حصہ اس پر صرف کیا۔ مقدونیہ اور ایشیائے کوچک میں اپنی جائداد اس کتب خانہ کی بقا و ترقی کے لئے وقف کی۔ بلقان کی لڑائی کے بعد مقدونیہ وغیرہ کی جائداد تو ملکیت سے نکل گئی، پھر بھی ایشیائے کوچک کی آمدنی کتب خانہ پر صرف ہوتی رہی مگر عرصہ سے یہ آمدنی کتب خانہ کو نہیں مل رہی ہے۔ ترکی حکومت اور سعودی حکومت کے درمیان اس سلسلہ میں مذاکرات جاری ہیں۔

شیخ ابراہیم حمدی خزلوطی جو ایک ترک عالم ہیں اور صرف ترکی و عربی سے واقف ہیں، وہ اسی کتب خانہ کے منتظم ہیں، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور جناب مولانا مسعود علی صاحب ندوی سے خوب واقف ہیں، ہندوستان آچکے ہیں، اسی تعلق سے میں شیخ حمدی سے ملا اور یہ مجھ پر بہت مہربان ہو گئے۔

ایک دن شیخ مجھ سے فرمانے لگے کہ تم سے ایک خاص بات کہنا ہے، میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ تم کو معلوم ہے کہ حضرت نبیِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے مہمانوں کا کس قدر اکرام

فرماتے تھے، اور مہمانوں کی دلجوئی حضرت کو کس قدر منظور تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ صحیح ارشاد فرماتے ہیں۔ کہنے لگے کہ جتنے حجاج آتے ہیں وہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی وجہ سے مدینۂ منورہ آتے ہیں، اس لئے سب حضورؐ ہی کے مہمان ہیں۔ میں نے جب اس کا بھی اقرار کرلیا تو فرمایا کہ دیکھو اس وقت تم سب بوجہ مہمان رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہونے کے حضورؐ کے مرکزِ نظر ہو لہذا اب جب مواجہ شریف میں حاضر ہونا تو سعودی اور ترکی حکومت کے درمیان میرے کتب خانہ کے متعلق جو معاملات چل رہے ہیں اس کے متعلق حضورؐ سے ضرور عرض کردینا، اُمید ہو کہ میری مشکل انشاء اللہ ضرور حل ہوجائے گی۔

شیخ حمدی نے کچھ اس طرح یہ سب کچھ کہا کہ سننے والے کو اُن کی اس محبت وعقیدت پر رشک آگیا۔[۱]

اسی مدینہ میں بقیع جیسا مدفنِ پاک ہے جہاں عموماً رات کے آخری حصہ میں حضرت سرورِ کونین (صلے اللہ علیہ وسلم) تشریف لاتے تھے اور یہاں کے لوگوں کی مغفرت کی دُعا فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات کو جبرئیل امین نے بارگاہِ نبوت (صلے اللہ علیہ وسلم) میں تشریف لاکر یہیں کے لوگوں کے متعلق عرض فرمایا تھا کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے کہ جاکر ان لوگوں کیلئے استغفار کیجئے۔

چلئے اس سراپا نور حصّۂ زمین کی زیارت کا شرف ہم بھی حاصل کریں، مگر دیکھئے ضبط وتحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے، ادب واحترام کا پورا لحاظ رکھئے، یہاں انبیاء کرامؑ کے بعد بنی نوعِ انسانی کی سب سے مقدس اور محترم جماعت مدفون ہے۔ یہیں سیدنا عثمان ابن عفانؓ، حضرت عثمان ابن مظعونؓ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت عباسؓ جلوہ افروز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، (حضرت خدیجہؓ وحضرت میمونہ کے سوا) اور دیگر ازواج مطہرات، رقیہ بنت الرسُول، اور دیگر بنات طاہراتؓ، فرزندِ رسُول حضرت ابراہیمؑ، حضرت امام حسنؓ، اور

---

[۱] گذشتہ سال مدینۂ طیبہ حاضری کے موقع پر اس عاجز کو بھی شیخ حمدی کے الطاف کا تجربہ ہوا بہت ہی خوبیوں کے جامع نظر آئے، اخلاق ومکارم کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مدینۂ طیبہ کے جغرافیہ سے اس زمانہ کے غالباً سب سے بڑے واقف ہیں۔ "م نعمانی"

خاندان نبوت کے دوسرے افراد یہیں تشریف فرما ہیں۔ رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں، تابعین تبع تابعین، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین اور اہل اللہ کی بڑی جماعت یہیں آرام فرما ہے۔

ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں، عبد اور معبود کے رشتے کے یہ کیسے مبارک نمونے ہیں ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کے کیسے اچھے مظہر ہیں۔ بقیع والو! تمھیں رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا پڑوس مبارک ہو۔ وتوفنا مع الابرار والی دُعا نہیں معلوم کس مُبارک گھڑی تمھاری زبان سے نکلی تھی۔

رضی اللہ عنکم ورحمکم

مدینہ کی اسی مبارک زمین پر ذرا فاصلہ پر قبا ہے، وہاں ہم قدیم راستے سے پاپیادہ گئے۔ راستہ میں مسجد جمعہ کی زیارت ہوئی، جب حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) جمعہ کے دن قبا سے مدینۂ منورہ تشریف لے جانے لگے اور قبیلۂ بنو سالم تک پہونچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آگیا تو آپ نے یہیں جمعہ ادا فرمایا تھا، مدینہ میں یہ پہلا جمعہ تھا۔

قبیلۂ بنو سالم کے کھنڈروں کے قریب ہی قبیلۂ بنی النجار کی ایک مسجد ہم کو دکھلائی گئی، اس مقام کو دیکھ کر بڑا اثر ہوا، یہ حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ننہال تھا، جب حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ تشریف لائے تھے تو یہیں کی لڑکیاں یہ شعر پڑھتی تھیں۔ ؎

نحن جوار من بنی النجار

یاحبذا محمد من جار

مسجد قبا کی عظمت کو آپ کے سامنے کن الفاظ سے بیان کیا جائے، مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ خود حضرت سرورِ کائنات (صلے اللہ علیہ وسلم) سوار اور پیادہ اس مسجد کی زیارت کو تشریف لایا کرتے تھے، اور حضور ہی نے ارشاد فرمایا تھا، کہ:۔

"اس مسجد میں نماز ادا کرنا عمرہ کے مثل ہے"

بہرحال خدا کے فضل وکرم نے ہم کو اس مسجد میں پہونچایا۔ اسی مسجد کے قریب بر اریس ہے، یہ وہ مشہور کنواں ہے جس میں حضرت سید انس وجان (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنا لعاب دہن

ڈالا تھا۔

مدینۃ النبی (صلے اللہ علیہ وسلم) میں بارہ دن قیام کے بعد آخر ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ کی وہ تاریخ آگئی جبکہ اس سرزمین انوار و برکات سے ہم کو رخصت ہونا تھا۔

موٹروں کا تھوڑا بہت جو تجربہ ہو گیا تھا اس کی وجہ سے مناسب یہی معلوم ہوا کہ احرام بجائے ذوالحلیفہ کے مدینہ ہی میں باندھ لیا جائے، چنانچہ ظہر و عصر کے درمیان احرام پہن کر ہم لوگ مسجد نبوی میں آئے، اور روضۃ الجنۃ میں محراب النبی کے سامنے دو دو رکعت پڑھ کر حج قرآن کی نیت کی، اور اسی وقت بارگاہِ نبوت (صلے اللہ علیہ وسلم) میں وداع کیلئے حاضر ہوئے۔

میں اس موقع پر بہ ادب التماس کروں گا کہ حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مواجہ شریف سے وداع کی منظر کشی کے لئے آپ اصرار نہ فرمائیں۔ نہ قلم میں تاب رقم اور نہ زبان میں قوتِ گویائی، بس اس سراپا رحمت (صلے اللہ علیہ وسلم) پر بار بار درود پڑھیے، کہ قلب محزون کے لئے اب اسی میں طمانیت و سکون ہے۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما تحب وترضیٰ وبعدد ما تحب وترضیٰ!

مکہ معظمہ میں حاضری!

۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ کو بعد مغرب ہم مدینہ منورہ (صلی اللہ علیٰ صاحبھا) سے روانہ ہوئے تھے، تیسؔ کا دن گذر کر ہندوستانی گھڑیوں کے حساب سے رات کے دو بجے مکہ معظمہ (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً) میں حاضری کی دولت ہمارے نصیب میں آئی۔

اس وقت یہاں رات تھی مگر ہماری خوش تقدیری کا آفتاب نصف النہار پر تھا، سب محوِ خواب تھے مگر ہماری قسمت بیدار تھی، طالع کی ارجمندی اور بخت کی فیروزمندی نے آج اُس شہر میں پہونچایا جس کی قسم قرآن میں کھائی گئی۔ یہیں حضرت آدمؑ نے سکونت اختیار کی، یہیں حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ نے پناہ لی، حضرت ابراہیمؑ یہیں ہجرت کر کے آئے، حضرت اسماعیلؑ نے اسی کو

اپنی سکونت کے لئے پسند فرمایا، حضرت رسولِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) یہیں پیدا ہوئے، یہیں کی گلیاں اور راستے جبریلِ امین کی گذرگاہ تھے، یہیں براق کے قدم پڑے تھے۔

آج ادب کی آنکھیں نیچی ہوئی جاتی ہیں، اور عقیدت کا سر جھکا جاتا ہے۔ آج ایمان کے سمندر میں تلاطم ہے، آج محبت و عظمت کی رُوح رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں تڑپ رہی ہے۔

خداوندا! یہ سیہ پوش عمارت جس کو کعبہ کہتے ہیں اس میں کیا جذب و کشش ہے کہ دلوں کو اپنی طرف کھینچے لے رہی ہے۔ بچے، بوڑھے، جوان، ادھیڑ، عورت اور مرد، بیمار اور تندرست سب اس کے گرد دیوانہ وار چکر لگارہے ہیں۔

بیت اللہ کے جنوب و مشرق میں درِ کعبہ کے قریب دیوار کے گوشہ میں ایک سیاہ رنگ کا پتھر نصب ہے، دیکھئے اس کی طرف لوگ کیسے لپک رہے ہیں۔ شہر مکہ کا ذرہ ذرہ بدل گیا، کعبہ کی ایک ایک اینٹ بدل گئی، مگر یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت نبیِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) تک تمام انبیاء کے مقدس لب یا مبارک ہاتھ پڑے ہیں، اور پھر تمام خلفائے راشدین، صحابۂ کرامؓ، ائمۂ اعلام، اولیاءِ عظام کے لبوں، ہاتھوں نے اس کو مس کیا ہے، اور آج ہمارے گنہگار لب اور ہاتھ بھی اس کو مس کررہے ہیں۔

یہ کون ہیں؟ شیبی، کعبہ کھولنے آئے ہیں، اللہ اللہ آج نگاہوں نے حضرت نبیِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ایک زندہ معجزہ دیکھا۔

"ہجرت سے پہلے ایک دن حضرت نبیِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کعبہ کی کنجی کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے مانگی، انھوں نے انکار کردیا، پیغمبرانہ جلال کے ساتھ ایک آواز آئی، کہ "عثمان ایک وقت آئے گا کہ کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی، اور جس کو میں دوں گا اُس کو ملے گی" ——— بات ہوگئی، برسہا برس کے بعد مکہ فتح ہوتا ہے، عثمان بُلائے جاتے ہیں اور کعبہ کی کنجی پیغمبر خدا کے حکم سے ان کے حوالہ کی جاتی ہے، پھر حضورؐ دریافت فرماتے ہیں عثمان کچھ یاد ہے؟ انھوں نے پورے واقعہ کا اقرار کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، کہ: "یہ کنجی ہمیشہ عثمان بن ابی طلحہ کے خاندان میں رہے گی، اس کو تم سے ظالم کے سوا اور کوئی لے نہ سکے گا" جب عثمان کا انتقال ہوا تو کنجی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں آئی، اسی لئے یہ لوگ شیبی کہلاتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ

حکومتیں مٹ گئیں، قومیں فنا ہو گئیں، مگر شیبہ کا خاندان بحمد اللہ آج تک موجود ہے، اور کعبہ کی کنجی انھیں کے خاندان میں ہے" (زرقانی، شرح مواہب، ج۔۲۔ ص۳۹۹)

مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے مکہ معظمہ میں حرم شریف کے قریب ایک مکان میں بعد عصر ایک دن تبلیغی جماعت کے اجتماع میں وعظ فرمایا تھا جس میں ہم سب شریک تھے اس میں ایک واقعہ شیبہ کے خاندان سے متعلق تھا۔ مناسب ہے کہ اسی سلسلہ میں آپ بھی اس واقعہ کو سُن لیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جناب مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند حج کیلئے تشریف لائے تو ایک حمائل اور ایک تلوار لیکر اپنے زمانہ کے شیبی صاحب کے پاس گئے اور فرمایا کہ۔

"حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیشگوئی کے بموجب آپ کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد آخر تک رہے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ظہور مہدی کے وقت بھی آپ کے خاندان میں سے کوئی صاحب موجود ہوں۔ حضرت مہدی کے ہمراہ جہاد کرنے والوں کا ثواب بدر کے مجاہدین کے برابر بتلایا گیا ہے، آپ میری خاطر یہ زحمت گوارا فرمایئے کہ اس حمائل اور تلوار کو اپنے پاس بطور امانت کے رکھ لیں اور نسلاً بعد نسلٍ کیلئے وصیت کرتے جایئے کہ آپ کی نسل میں سے آپ کا جو جانشین شخص امام مہدی کا زمانہ پائے اس امانت کو میری طرف سے حضرت مہدی کی خدمت میں پیش کر دے کہ حمائل تو آپ کی تلاوت کے لئے ہے اور تلوار کسی مجاہد کو دے دی جائے کہ وہ اس سے جہاد کرے"

سبحان اللہ! حصولِ ثواب کا ذوق و شوق کیسے کیسے باریک موقعوں کی نشان دہی کر رہا ہے؟۔

در کعبہ اور حجر اسود کے درمیان نیچے کی دیوار کو ملتزم کہتے ہیں، اس سے لوگ لپٹے کھڑے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں اور بلک بلک کے رو رہے ہیں، جیسے کوئی بچہ ماں کے سینہ سے لپٹ کر روئے۔ آقائے دوجہاں حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) یہاں اسی طرح کعبہ کی دیوار سے سینۂ پاک اور رخسار مبارک لگا کر جلوہ فرما ہوا کرتے تھے۔

وہ سامنے زمزم شریف ہے، اس میں خود اپنے سوتے کے سوا حجر اسود، صفا اور مروہ

کی طرف سے تین سوتے ہیں، اس کو خوب جی بھر کر نوش فرمائیے۔

مقام ابراہیمؑ کے پاس بھی تشریف لے چلئے، قرآن مجید اسی جگہ کے متعلق فرماتا ہے:۔

"فیہ آیات بینات مقام ابراھیم" دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی"

یہاں سے قریب ہی وہ دونوں پہاڑیاں ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا ہے:۔ "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" صفا اور مروہ یہ دونوں وہ پہاڑیاں ہیں جہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؑ کو ربانی کرشمے کے عظیم الشان جلوے نظر آئے، ان کی سعی کر لیجئے۔ حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو لے کر جب یہاں آئی تھیں اور وہ پیاس سے بے تاب ہو گئے تھے تو حضرت ہاجرہؑ صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں، یہ صفا اور مروہ کی سعی ان ہی کی اس مضطربانہ دوڑ کی یادگار ہے۔

بہر حال مالک حقیقی کا شکریہ اور ہزار بار شکریہ کہ اس نے ایسے مبارک مقام کی حاضری سے ہم کو سرفراز فرمایا۔ ہم لوگوں نے محلہ جیاد میں جبل سبع نبات پر ایک کرایہ کا مکان لے لیا تھا۔ ہمارے قافلے کے جو لوگ بمبئی میں جہاز میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے چھوٹ گئے تھے وہ بھی اسی دن جدہ سے مکہ معظمہ پہونچے، جس دن ہم مدینہ سے آئے تھے۔ سب کے سب اہلِ وطن یا وطن کے قریب کے لوگ تھے، اس لئے ایک ہی مکان میں قیام ہوا اور بڑی سہولت ہوئی۔ ابھی حج میں ایک ہفتہ باقی تھا، ہم نے اپنا یہ وقت نیز حج کے بعد زمانۂ قیام مکہ معظمہ کا بڑا حصہ بحمد اللہ مسجد حرام کی حاضری اور بیت اللہ کے طواف میں گذارا۔

روزانہ حجاج کی آمد سے مکہ کی آبادی روز بروز بڑھ رہی تھی اور ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کا شدت سے انتظار تھا۔ منیٰ اور عرفات وغیرہ کے لئے اونٹ، لاری، بس اور کار کے انتظامات کے لئے لوگ برابر معلموں سے مل رہے تھے۔ خاصی تعداد پیادہ پا چلنے والوں کی بھی تھی، ہمارے قافلہ کے اکثر حضرات نے پیدل ہی چلنے کی نیت کی۔ چنانچہ ۸ رذی الحجہ کو بعد نماز فجر ہم سب لوگ منیٰ کے لئے پیادہ پا چل پڑے۔ مکہ اور منیٰ کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا، خیال تھا کہ تین میل کی

منزل بھی کوئی منزل ہے، مگر ؎

عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

اوپر دھوپ کی تمازت، اور نیچے تپتی ہوئی ریگستانی زمین تھی جس میں پیر دھنس دھنس جاتے تھے، گو زبان اقرار کرنے کے لئے تیار نہ تھی مگر دل ہمت ہار رہا تھا، لیکن بہ فضلِ خدا نو بجے کے قریب ہم لوگ منیٰ پہونچ گئے اور مسجد خیف کے قریب ہی قیام کی دولت نصیب میں آئی۔ کہا جاتا ہے کہ مسجد خیف میں ستّر نبیوں نے نماز پڑھی ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ اس میں ستّر نبیوں کی قبریں ہیں۔

۹ر ذی الحجہ کی صبح کو عرفات روانہ ہونا تھا عقل کہتی تھی کہ کل مکہ سے منیٰ تک کے سفر کا حال یاد کر! اور یہ بھی خیال کر کہ اب سفر دوگنا ہے، یعنی ۶ میل! مگر عشق کہتا تھا کہ کچھ بھی ہو افتاں وخیزاں پیادہ پا چلنا چاہئے۔ یہی تو وہ منزل ہے جس کو انبیاء نے صرف پیادہ پا نہیں بلکہ برہنہ پا طے کیا ہے!۔ الحمد للہ کہ عقل نے شکست کھائی، اور ہم لوگ عرفات کو پیادہ پا چل پڑے۔ جذبۂ دل نے پھر پکارا اور کہا کہ کیا خبر دوبارہ پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے؟ انبیائے کرام کی پیروی کے خیال سے پیروں سے چپلوں اور جوتوں کو بھی الگ کرنا چاہئے، حج کا لبیک تو ہو ہی رہا تھا الحمد للہ کہ عشق کے اس منادی کی آواز پر بھی لبیک کہا گیا۔

ہم لوگ اس اندازے سے بیس منٹ چلے ہوں گے کہ سامنے ایک لاری آئی اور فی کس عہ ر کے حساب سے عرفات لے چلنے کے لئے ہم لوگوں سے کہا، عقل دوراندیش نے پھر سمجھایا کہ بحمد اللہ اس ۱۳۶۹ھ میں پیادہ پا اور برہنہ پا چلنے کی سعادت بھی نصیب میں آچکی، اب رحمتِ خداوندی نے ہم لوگوں کی کمزوری پر نظر فرما کر دستگیری فرمائی ہے، لہٰذا لاری پر سفر سے احتراز نہ کرنا چاہئے۔ لیجئے منٹوں میں ہم لوگ لاری کے ذریعہ عرفات پہونچ گئے اور جبلِ رحمت کی قریبی جانب قیام ہوا۔ مسجد نمرہ کی بھی زیارت ہوئی۔

شام کے وقت ہم نے جبلِ رحمت کے اس مبارک حصّہ کے قریب پہونچنے کی کوشش کی جس کے متعلق گمانِ غالب ہے کہ یہاں حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کھڑے ہو کر حجۃ الوداع کا یادگار خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مشورہ ہے کہ اس پہاڑ پر جہاں سیاہ پتھر ہیں وہاں آدمی مختلف مقامات پر کھڑا ہو تو یقین ہے کہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کا موقف مبارک اس کے نصیب میں آجائے گا۔ حکومتِ نجدیہ سعودیہ کے سپاہیوں کی وجہ سے ہم اُس مقام تک تو نہ پہونچ سکے، مگر نگاہوں نے لُطفِ زیارت ضرور حاصل کیا۔

اللہ اللہ! آج وہ دن یاد آرہا ہے کہ حضرت رسُولِ کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) حضرات صحابۂ کرامؓ کے مقدس مجمع کے ساتھ یہاں جلوہ افروز تھے، اور سائل کی طرح ہاتھ پھیلا کر اپنی امت کے لئے دُعا مانگی تھی، اس منظر کو یاد کر کے دل بھرا آرہا ہے۔

خداوندا! واسطہ اپنی ذات وصفات کا، اور وسیلہ اپنے رسُولِ پاکؐ اور انکے اصحابِ کبارؓ کا، اور صدقہ تیرے اولیاء صادقین کا، ہم کو اپنی رضا نصیب فرما، مسلمانوں کی مصیبتوں کو دور فرما، اور اسلام کو نئی زندگی عطا فرما، اور ہماری زندگی اور موت اپنے لئے کرلے!۔

ہر طرف "حج مُبارک۔ حج مُبارک" کے نعرے بلند ہو رہے تھے، مغرب کے بالکل قریب ایک لکۂ ابر آیا اور حجاج کو خدا کی رحمت وبخشش سے نواز گیا۔ اب مزدلفہ کی روانگی تھی، ہمارے قابلِ صد شکریہ معلّم مولانا عبدالہادی سکندر نے اپنی ذاتی موٹر پر ہم کو مزدلفہ روانہ کردیا۔

عرفات اور مزدلفہ کے اس درمیانی راستے کا سماں شاید عمر بھر بُھلایا نہ جاسکے، وہ بسوں، کاروں، اور لاریوں کی مسلسل قطاریں، جن کی روشنی ایک عجیب دل کش منظر پیدا کر رہی تھی دوسری طرف اونٹوں اور خچروں پر لوگ سوار آگے بڑھ رہے تھے، انھیں سے ملے جلے پیادہ پا حجاج کی جماعت چل رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہم مزدلفہ پہونچ گئے اور مسجد مشعر حرام کے پاس ٹھہرے، آیت "فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام" بار بار یاد آرہی تھی۔ سبحان اللہ! یہی تو وہ مقام ہے جہاں حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کی عرفات والی دُعا کا بقیہ حصہ بھی قبول کیا گیا تھا، جس کی قبولیت کی وجہ سے شیطان پریشان حال بھاگا تھا اور حضور تبسم فرمانے لگے تھے۔ خداوندا حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اس تبسم کے صدقے میں شیطان اور اس کے کارندوں کو پھر ذلت ورسوائی نصیب فرما، اور غلامانِ رسالت مآب (صلے اللہ علیہ وسلم) کو

موقع دے کہ آپؐ کے اور آپؐ کی اُمت کے دشمنوں کی رسوائی دیکھ کر ان کے دل ٹھنڈے اور چہرے تبسم کناں ہوں۔

صبح کو جیسے ہی ہم نے نماز فجر ختم کی، معلّم صاحب نے پھر اپنے ذاتی موٹر سے ہم کو منیٰ روانہ کر دیا۔ یہاں رمی جمار، قربانی اور حلق کے بعد ہم نے غسل کیا، احرام اُتارا اور کپڑے پہن کر مکہ معظمہ عصر کے وقت آئے اور طوافِ زیارت سے فراغت پائی، مغرب کے وقت ہم لوگ پھر منیٰ واپس آ گئے، اور بارہ ذی الحجہ کی شام تک یہاں قیام کر کے پھر مکہ واپس آ گئے۔

شنبہ کے دن ۲۷ر ذی الحجہ ۶۷ھ (مطابق ۳۰ر اکتوبر ۴۸ء) کو بعد ظہر ہم لوگ مکہ معظمہ سے جدّہ کے لئے روانہ ہوئے، اور مغرب سے قبل جدّہ پہونچ گئے۔

یہاں جہاز کے انتظار میں ۸ر نومبر ۴۸ء تک قیام کرنا پڑا، اگر صحیح طور سے معلوم ہوتا کہ ابھی جہاز میں اتنی دیر ہے تو مکہ معظمہ سے ہرگز نہ آتے۔

بہرحال خدا کو منظور یہی تھا، البتہ اب کی جدّہ میں بڑا دلچسپ اجتماع ہو گیا تھا، ہم لوگوں کا قیام اسی قدیم مکان میں تھا جس میں پہلی مرتبہ آکر ٹھہرے تھے، ہمارے مکان سے ملے ہوئے مکان میں جناب شیخ فیاض علی صاحب (رئیس رحیم آباد۔ لکھنؤ) مع اپنے قافلہ کے مقیم تھے۔ انڈین یونین کے سفارت خانہ میں مخدومی خان بہادر سید اصغر حسین کا مع اپنے قافلہ کے قیام تھا۔ جناب وکیل احمد صاحب اور اعظم گڈھ کے دوسرے احباب حجاج منزل میں قیام فرما تھے۔ اکثر اوقات ہم لوگ جمع ہوتے اور نہایت دلچسپی رہتی۔

۸ر نومبر ۱۹۴۸ء ڈھائی بجے دن کو علوی جہاز سے روانگی ہوئی۔ اس مرتبہ الحاج سید اصغر حسین صاحب نگرامی امیر الحاج تھے۔ الحمد للہ کہ حجاج کو آرام ملا اور وہ خوش رہے۔

۱۹ر کی رات کو غالباً ۹ بجے جہاز بمبئی پہونچ گیا، اور ۲۰ر نومبر ۴۸ء کی صبح کو سب لوگ جہاز سے اُترے۔

حجاز کے مختصر زمانۂ قیام میں ہم کو حجازیوں کے سوا دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔

اگر آپ اُمیدوں سے پُر اور توقعات سے لبریز ہیں تو غالباً اس موقع پر میری تلخ نوائی آپ کو کچھ ناگوار گذرے، مگر یہ حقیقت میں کس طرح چھپاؤں کہ مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی افکار اس وقت دنیائے اسلام کی اکثریت پر چھا رہے ہیں، آخرت کا اہتمام کمتر، نمازیں بے وقار، وضع قطع، رہن سہن، اور چہرہ مہرہ سے اسلامیت کے آثار مفقود، دینی علوم کی طرف سے بے توجہی، سیاسی اعتبار سے غیروں کے دست نگر! جدّہ سے جس وقت ہم مدینۂ منورہ جانے لگے تو خط بنوانے کی غرض سے ایک مرصع دُکان گئے، یہ حضرت ہمارے "سر" ہو گئے کہ انگریزی فیشن کے بال ترشوائیے، انھوں نے مجھ کو نصیحت کی اور فرمایا کہ ایمان دل میں ہے "ظاہر" سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اس نصیحت پذیری سے تو انکار کر دیا، مگر دل پر چوٹ لگی کہ خداوندا سرزمینِ حجاز میں یہ آواز؟ اس قسم کے تجربے اہلِ مصر کے متعلق زائد ہوئے۔ بے شبہ اس "بحرِ ظلمات" میں کچھ "نورانی موجیں" بھی اٹھتی نظر آئیں۔ مصریوں میں شیخ حسن البنا مرحوم کی جماعت کے لوگوں میں خاص دینی ولولہ اور ایمانی جوش نظر آیا، خود شیخ حسن البنا بھی اس سال حج میں آئے تھے مگر افسوس کہ ان سے میری ملاقات نہ ہو سکی (اور اب تو وہ اپنے کسی دشمن کے ہاتھ خدا کے دارِ رحمت میں پہونچ چکے)۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تبلیغی جماعت اپنے مخصوص دینی رنگ کی بنا پر سب میں ممتاز نظر آئی، اور یہ حقیقت بار بار واضح ہوئی کہ امورِ تقدیری سے تو چارہ نہیں، ورنہ صحیح تر اور مفید تر طریق کار یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کی توفیق دیں، خاتمہ بخیر فرمائیں، اسلام اور مسلمانوں کو فروغ نصیب ہو

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے

دین کی کوئی بڑی خدمت لیتا ہے

وہ عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اکثر تو ایسے ہوتے ہیں جن کو قلم یا زبان کی خاص طاقت بخشی جاتی، اور وہ تحریر و تصنیف یا تقریر و بیان سے دین کی خدمت کرتے ہیں اور دوسروں کو اسکی دعوت دیتے ہیں ـــــــ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ قادر و توانا اور علیم و حکیم اپنے کسی ایسے بندہ کو دین کی کسی بڑی خدمت پر کھڑا کر دیتا ہے جسکے پاس نہ رواں قلم ہوتا ہے اور نہ چلنے والی زبان، بلکہ صرف اس کام کا یقین اور عشق و جنون اُسکے اندر بھر دیا جاتا ہے اور کسی حال میں شکست نہ کھانے والی ہمت و عزیمت اور اُس کام کی حکمت اسکو عطا کر دیجاتی ہے، اور اسکے علاوہ رونے اور تڑپنے والا بس ایک دل اس کو اور دیدیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا حال بڑا عجیب ہوتا ہے ـــــــ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات سے جو لوگ گہری واقفیت رکھتے ہیں، یا جنھوں نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا لکھا ہوا "صراط مستقیم" کا مقدمہ ہی غور سے پڑھا ہے وہ جانتے ہونگے کہ حضرت سید صاحبؒ اسی دوسری قسم کے حضرات میں سے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ جنکی دینی دعوت اور تبلیغی و اصلاحی جد و جہد سے آپ ضرور واقف ہونگے، اُنکے جاننے والوں اور قریب سے اُنکے احوال کا مطالعہ کرنے والوں کا اندازہ اُنکے متعلق بھی یہی ہے کہ وہ بھی اسی دوسری قسم کے مصلحین میں سے تھے، نہ صاحب قلم تھے اور نہ صاحب زبان یعنی نہ انشاء پرداز تھے نہ خطیب و مقرر۔ البتہ مسلمانوں میں ایمانی رُوح اور دینی زندگی پیدا کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کی دعوت کو پھر سے برپا کرنے کی آگ اللہ نے اُنکے سینہ میں لگادی تھی، اور اس کا یقین اور عشق و جنون اُنکے قلب و قالب میں بھر دیا تھا ـــــــ پھر اس عشق و جنون اور سوز و اضطراب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی معرفت اور خاص اس کام (احیاء دین و اصلاح مسلمین) کی ایسی حکمت عطا فرمادی تھی کہ عام مجلسی گفتگو میں ایسے مضامین اور ایسے حقائق و معارف زبان سے اُبلتے تھے کہ ایک ایک ملفوظ پر اہلِ قلم کتابیں لکھیں، اور اصحاب زبان و بیان تقریریں کریں ـــــــ مولانا محمد منظور نعمانی (مدیر الفرقان) نے جب حضرت ممدوح کو زیادہ قریب سے دیکھا اور انکی اس خصوصیت کو سمجھا تو خاص خاص ملفوظات قلمبند کرنے کا اہتمام کیا ـــــــ یہ ملفوظات پہلی مرتبہ کتابی شکل میں اب شائع ہو سکے ہیں ـــــــ دین سے وفادارانہ تعلق اور اسکی خدمت کا جذبہ اور ارادہ رکھنے والوں کو خصوصیت سے ہمارا مشورہ ہے کہ وہ ضرور ان کا مطالعہ کریں۔　　(ضخامت پونے دو سو صفحات) کاغذ نفیس (قیمت:- مجلد مع گردپوش ۳/-)

دعوتِ اصلاح و تبلیغ :- یا "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے جدوجہد"

اسوقت مسلمانانِ عالم کی اکثریت دعوائے اسلام کے باوجود اسلامی زندگی اور ایمانی روح سے خالی ہی یہ حالت ہر حیثیت سے بڑی خطرناک ہے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت سے سخت ناراض ہے۔ نیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ سلم) کی رُوحِ پاک اس سے سخت متفکر اور بےچین ہے۔ یہ اُمّت اور اس کا ایمان و اسلام حضورؐ کا لگایا ہوا وہ باغ ہی جس کو آپنے اور آپکے اصحابؓ نے بڑی بڑی محنتوں سے سینچا تھا، اور انھیں کی انتھک محنتوں کے نتیجے میں یہ سرسبز اور شاداب تھا، اسلئے اسکے اُجاڑ اور اسکی بربادی سے رُوحِ پاک کو تکلیف ہونا بالکل قدرتی بات ہے۔

۔۔۔۔۔ اسوقت اللہ تعالیٰ کو راضی اور رُوحِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مسرور اور مطمئن کرنے اور مسلمانوں کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے کہ ہر مسلمان سچا مسلمان بننے کی، اور دوسروں کو بنانے کی کوشش کرے ۔۔۔۔۔ "دعوتِ اصلاح و تبلیغ" کا مقصد یہی ہے۔

ہر مسلمان سے ہم استدعا کرتے ہیں کہ اس تحریک کی حقیقت، اسکی اہمیت، اسکے اصول اور طریقِ کار و پروگرام معلوم کرنے کیلئے وہ ذیل کے رسالوں کا مطالعہ فرمائیں :-

دربارِ نبوّت کی حاضری

(از مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ)

[اب سے ۲۰-۲۱ سال پہلے مولانا ممدوح کو اللہ تعالیٰ نے حج و زیارت کی سعادت نصیب فرمائی تھی۔ اس عاجز نے مولانا سے درخواست کی تھی کہ اگر ہو سکے تو اس سال حج نمبر کے لیے بجائے کچھ اور لکھنے کے حافظہ پر کچھ زور ڈال کے اپنے اس سفر ہی کی سرگزشت قلمبند فرما دیں۔ ذیل کا ۲۸ صفحے کا مقالہ میری اسی درخواست کا جواب ہو، بلکہ ابھی اس جواب کی ایک قسط باقی ہو جس کے لیے مجھے بھی اور الفرقان کے ناظرین کو بھی الفرقان کے کسی اگلے حج نمبر کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مولانا ممدوح نے مقالہ کے ساتھ جو بھی گرامت نامہ اس ناچیز کے نام لکھا ہو، مناسب معلوم ہوتا ہو کہ اس کی بھی چند سطریں ناظرین کے ملاحظہ کے لیے یہاں درج کر دی جائیں۔ تحریر فرماتے ہیں:-

خاکسار کی زندگی کا یہ ایک جبلی پہلو ہو، چھپانے کی کوشش کرتا ہوں گزشتہ حج نمبر میں فلسفۂ حج کی نقاب میں پناہ لی تھی، لیکن آپ جب درمیان میں آ جاتے ہیں تو ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہو، مسودہ آپ نے مُتوں کو یاد دلا دی، اب لیجیے جنون نے طومار تیار کر دیا، جو لکھوایا گیا لکھتا چلا گیا "دربارِ نبوت کی حاضری" کی داستان اتنی طویل ہو گئی کہ دوسرے حج نمبر کے لیے حج کے قصے کو ملتوی کر دینا پڑا۔"

اب اصل مقالہ پڑھیے ———————— مدیر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از بخت بدم اگر فرو شد خورشید — از نور رخت ہما چراغ گیرم

جون ۱۹۲۶ء میں ٹھیک ان ہی دنوں میں جب بہ سلسلہ تعطیل موسم گرما فقیر اپنے وطن گیلانی (بہار)

میں تھا، ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوا یا مبتلا کیا گیا، جس کے خیال سے بھی دیکھنے والے شاید اب بھی کانپ جاتے ہوں، ایک مولوی، اور لوگوں میں نیک نام مولوی، جامعہ عثمانیہ کا پروفیسر، دکن کا واعظ شہر، ایک پرلطف تماشا تھا! کہ بجائے خون کے اس کے جسم میں ریم اور پیپ کا طوفان اُبلنے لگا۔ باہر سے جلد پر پھنسی کا اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، لیکن اندر ہی اندر ایسے ایسے بڑے زخم اور پھوڑے پیدا ہو گئے، جن سے آپریشن کے بعد میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن سنا کہ تین تین سیر تک پیپ نکلی، بخار چار پانچ ڈگری تک پہونچ جاتا تھا، اسی سے دماغ عموماً معطل رہتا تھا، حالانکہ دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، ران، پشت، الغرض ایک ایک عضو داغدار تھا، اور ایسے داغوں سے داغدار تھا، جن کا علم دوسروں کو صرف آپریشن کے بعد ہوا، لیکن اندازہ کیا جا سکتا ہے جو ان پنہانی زخموں کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا، اس کا حال کیا ہوگا؟ مگر سبقت رحمتی علی غضبی کی شاید ایک شکل یہ بھی تھی کہ دماغی تعطل نے تکلیف کی شدت کے احساس کو ایک حد تک کند کر رکھا تھا، چالیس دن تک مختلف امراض کے شبہات و شکوک کے تحت اطبا و ڈاکٹروں کا تختۂ مشق اپنے گاؤں گیلانی ہی میں بنا رہا، مگر ایک ڈاکٹر جو بحمد اللہ ابھی زندہ ہیں،[1] انھوں نے ابتداء ہی میں مرض کی صحیح تشخیص کر لی تھی کہ نفیح الدم یا پایمیا کی بیماری ہے، دوسرے اطبا اور ڈاکٹروں کو انھوں نے زبردستی الگ کر دیا۔ اور اپنے اختیار تیزی سے گویا یوں سمجھیے کہ انھوں نے اپنے زیر علاج ہی رکھا جب یہ اندرونی پھوڑے پک گئے، تب انھوں نے مشورہ دیا کہ دیہات میں اس قسم کے پھوڑوں کا آپریشن ناممکن ہے، پٹنہ کا شہر قریب ترین شہر تھا، جہاں جنرل اسپتال کی آسانی تھی، طے کیا گیا کہ مجھے پٹنہ پہونچایا جائے، مگر ایسے بیمار کو کیسے پہونچایا جائے جس کے دونوں ہاتھ بھی بےکار، دونوں پاؤں بھی بےکار، حتیٰ کہ پشت پر سونے کا مطلب جس کے لیے یہ تھا کہ زخموں پر پڑا رہے، ایسے بیمار کی منتقلی کا مسئلہ کافی دشوار تھا۔

ایک کھٹولے کو موٹر میں، موٹر سے ریل میں، لوگ جنازے یا تابوت کی طرح منتقل کر رہے تھے، کیول جنکشن پر ایک گاڑی سے دوسری گاڑی میں یہی کھٹولا جب قلیوں کے کندھوں پر منتقل ہو رہا

---

[1] ان کا اسم گرامی ڈاکٹر زاہد خاں ہے جو آج کل شیخپورہ (ضلع مونگیر) میں خانگی پریکٹس کرتے ہیں ۱۲

تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مرے ہوئے کتے کو پھینکنے کے لیے لوگ لیے جا رہے ہیں، بہر حال پٹنہ یہی کھٹولا بیمار کے ساتھ پہونچا، ہسپتال میں داخل ہوا، دو ڈھائی مہینے کی مدت میں سات آپریشن مختلف اعضاء پر کیے گئے، تماشا یہ تھا کہ آپریشن کر کے مواد ایک عضو سے جب ڈاکٹر خارج کرتے تھے تو دو تین دن کے وقفہ کے بعد کسی دوسرے عضو میں ٹیس اور درد کا زور شور شروع ہوتا، اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا، تا اینکہ ساتویں آپریشن کے بعد پاؤں کے ایک حصہ میں پھر درد اور ٹیس کی کیفیت شروع ہوئی، گویا آٹھویں آپریشن کی تمہید شروع ہو چکی تھی کہ پھر کیا ہوا؟ اسے اب کیا بتاؤں بخاری شریف کی روایت جس کا حاصل یہ ہے کہ۔

مر گیا ایک حبشی (راوی کہتا ہے کہ) یا حبشیہ، لوگوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کے بغیر دفن کر دیا، رسول اللہ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس کا تو انتقال ہو گیا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیوں اطلاع نہ دی گئی، تب لوگوں نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کیں، راوی کا بیان ہے کہ اس (مرنے والے مسلمان) کو ہیچ میرز قرار دیا یعنی فقیر، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی قبر مجھے بتاؤ کہ کہاں ہے، قبر کی نشان دہی کی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس (کس مپرس غریب مسلمان) کی قبر پر تشریف لائے اور قبر ہی پر اس کی آپ نے نماز پڑھی (یعنی جنازے کی نماز پڑھی)"

(بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ مجتبائی)

شاید کچھ اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارا کیا ہے کہنے والے نے اس مشہور شعر میں ؎

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری | بہ ہر مو ہزاراں سیہ کار داری
ز سر تا بپا رحمتی یا محمدؐ | نظر جانب ہر گنہ گار داری

صبح ہوئی، عجیب صبح تھی، یہ دیکھنے کے لیے کہ پاؤں کا زخم پک کر آپریشن کے قابل ہو چکا؟ ڈاکٹر آئے، آ کر جہاں درد اور ٹیس کی کیفیت تھی ہاتھ رکھا گیا، جو نشتر کی نوک کو تیز کرتے ہوئے آئے تھے، متحیر ہو کر پوچھ رہے تھے کہ قصہ کیا ہوا؟ پھوڑا کہاں پر تھا، وہ ڈھونڈھتے تھے اور نہیں ملتا تھا،

مریض خستہ جسم و جان سے پوچھا جا رہا تھا اور وہ خاموش تھا، آخر اس فیصلہ پر مجبور ہوئے کہ آنکھوں میں آپریشن کی ضرورت باقی نہ رہی، کیوں باقی نہ رہی، یہ ایک راز تھا جس سے نہ اس وقت وہ واقف ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے، یہ کالے پر نظر رحمت پڑ چکی تھی، کالے حقیر سمجھے جانے والے حبشی کی ڈھیر پر کھڑے ہو کر عالمین کی جس رحمت نے دعا کی تھی، مغفرت کی دعا کی تھی، مغفرت کی وہی دعا آج ایک سیاہ کار کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔

ہر ہر عضو گرا ہوا تھا، چلنا پھرنا تو دور کی بات ہے، قسم ہے اسی خدائے زندہ و توانا کی جو مردوں سے زندوں کو اور زندوں کو مردوں سے نکالتا ہے کہ ایک سکنڈ دو سکنڈ کے لیے اٹھی بیٹھنے کی آرزو جس سیاہ بخت کے لیے مہینوں سے صرف آرزو ہی بنی ہوئی تھی، بخت کی بیداری کے بعد دیکھا جا رہا تھا، کہ اب وہ اٹھ رہا ہے، اٹھتا چلا جا رہا ہے جس کی موت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا، وہ دوبارہ گویا زندوں میں پھر شریک کر دیا گیا، ہسپتال والوں نے چند ہی دنوں بعد حکم دے دیا کہ اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے، حکم کی تعمیل کی گئی، پھر آگے کیا قصے پیش آئے ان کی تفصیل غیر ضروری ہے، شعور اور احساس میں ایک خیال کے سوا دوسرا خیال یا ایک جذبہ کے سوا دوسرا کوئی جذبہ باقی نہ رہا تھا، اس زمانے میں بہار میں تھا، بہار کی دیسی آبادی جو دیہاتوں میں رہتی ہے ایک خاص قسم کی زبان بولتی ہے، اس زبان میں اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن التجا و التماس کے لیے اس کا پیرایہ حد سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے، بے ساختہ اسی زبان میں کچھ مصرعے ابلنے لگے، سن کر تو اردو زبان کے سمجھنے والے بھی اس کو شاید سمجھ سکتے ہیں لیکن اردو زبان کے املائی حدود میں مگدھی یا بہاری زبان مروجہ کے ان الفاظ کو لانا دشوار ہے، کتابی شکل میں صحیح طور پر جیسا کہ چاہیے شاید وہ سمجھے بھی نہیں جا سکتے لیکن عرض چونکہ اسی زبان میں کیا گیا تھا، بجنسہ ان ہی الفاظ کو نقل کر دیتا ہوں۔ وھو ہذا۔

پیارے محمدؐ جگ کے سجن — تم پہ واروں تن من دھن
تری صورتیا من موہن — کبھیو کرا ہو تو درشن

(کبھی کرا دیجیے[۱۲])

جیا کنھڑے، دلوا ترسے

(کڑھتا ہو[۱۲]) (دل[۱۲])

کرپا کے بدرا کبھیا برسے

(بادل[۱۲]) (کب[۱۲])

تری دوآریا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں

تری گلی کی دھول بٹوروں — ترے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے

اٹھوں پھر اب دھیان یہی ہے

صلی اللہ علیک نبیا — ترے دوارے آیا دکھیا

بھنیا اہکی پکڑو راجا — اپنے جیبن و حسن کا صدقا

بازو اس کا پکڑیے اے راجہ ۱۲

ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے

موج عظیم ۱۲

اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

سیس پہ اکے پاؤں دھرہو — پیت کی اگیا من میں بھرہو

سر ۱۲ — پاؤں ۱۲ — محبت ۱۲

بھدرہوا پہ تینی کرپا کرہو — سپنو میں ایسن کر گجرہو

حد سے زیادہ منحوس و بدبخت ذرا مہربانی کیجیے — خواب میں بھی ایسا کر گزریے۔

راجا تری دیوڑھی بڑی ہے

رحمت ترے نام پڑی ہے

اندھرا کے تم رہیا بتا ہو — ہردے کا اکے جوت جگا ہو

اندھے کو بتائیے ۱۲ — کوئی باطنی ۱۲

ڈگری پہ اپنے اکو چلا ہو — بودھا کے تم بدھی بنا ہو

راستہ ۱۲ — بے وقوف کو آپ دانش مند بنا دیجیے

کھینچو اکو پاپ نرکھ سے

دھو دیہو کالیکھ منہ کا اکے

سیاہی

ترے پیا کی اونچی اٹریا — ہمری نے ہی واں پہ گجریا

بتلا بتلا رہی نجریا — پکھلئی ہو اک تری دواریا

بھٹک کر رہی نظر — دیکھی ہوئی ہو ۱۲

ان کھر پتوا ترے سے چلی ہے

ان کا پتہ تم سے چلے گا

کھوجوا بھی ان کا ترے سے ملی ہے

سراغ ان کا آپ ہی سے ملے گا

پی کی پتیا تم ہی لے لہو — ان کھر بتیا تم ہی سنی لہو

محبوب کا خط آپ ہی لائے — ان کی باتیں آپ ہی نے سنا ہیں

ہمنی کے نندیا سے تم جگے لہو — مرلی تھلبئی تم ہی جلے لہو

ہم لوگوں کو نیند سے آپ ہی نے جگایا — مرے ہوئے تھے تم ہی نے جلایا

دھرمی بھے لوں تم ری دیا سے

مومن ہوگئے ۱۲ تمہاری مہربانی

مکتی بھی ہوای ہی تری ددا سے

نجات بھی ہوگی آپ ہی کی دعا سے

"درشن" کی آرزو، اس عجیب و غریب اضطراری نظم کی روح تھی، بہار کے نائب امیر شریعت مولٰنا سجاد مرحوم اگرچہ بظاہر فقیہ النفس والصورت تھے، مگر ذاتی تجربہ کے بعد یہ ماننا پڑتا تھا کہ باطن ان کا فقیہ سے زیادہ فقیر تھا، قرابت کے تعلقات کی وجہ سے گیلانی بھی کبھی تشریف لاتے تھے، اسی زمانہ میں اتفاقاً ان کی تشریف آوری ہوئی، اس نظم کے سننے کا موقعہ ان کو بھی ملا، سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، خصوصیت کے ساتھ اس بند پر تڑپ تڑپ گئے، ہچکیاں ان کی بندھ گئیں، یعنے دوسرا بند۔

تری دوار یا کیسے چھوڑوں　　　تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تری گلی کی دھول بٹوروں　　　تم رے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے
اٹھوں پھر اب دھیان یہی ہے

"تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں"؟ اس استفہامی مصرعہ کو بار بار دہراتے اور بے قرار ہو ہو کر بلبلاتے، اور ہو بھی یہ سوال کچھ اسی قسم کا، آج انسانیت زمین کے اس خاکی کرے پر تڑپ رہی ہو، زندگی کا مطلب کیا ہو؟ اس سوال کو حل کرنا چاہتی ہو، ایک ڈیوڑھی کے سوا خود ہی سوچئے کہ دنیا میں کون سا آستانہ ایسا باقی رہا ہو جہاں واقعی اس سوال کے جواب کی صحیح توقع کی جائے؟ اس تنہا۔ واحد آستانے سے ٹوٹنے والا خود سوچے کہ کہاں جائے گا۔ کس کے پاس جائے گا؟ موسیٰؑ ہوں یا عیسیٰؑ، ابراہیمؑ ہوں یا یعقوب علیہم السلام یا ان کے سوا کوئی اور، اس راہ کے ان سب راہبروں نے اپنے وقتوں میں جو راہ پیش کی تھی۔ جب وہ ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں، تاریخ جانتی ہو کہ ڈھونڈھنے والوں کو ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ نہیں مل سکتی، تو اب دنیا کہاں جائے۔ اور اس کے سوا کہ

جلوۂ ات تعبیر خواب زندگی (اقبال)

کا فیصلہ کرتے ہوئے "تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں"؟ کہتا ہوا اسی چوکھٹ کے ساتھ چمٹ جائے، جس کے سوا تہادت والوں کو غیب تک پہونچنے اور پہونچانے کا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہیں رہا ہے۔

بہرحال ہسپتال سے نکلنے کے بعد ڈاکٹروں کے حسب مشورہ چھوٹا ناگپور کے شہر ہزاری باغ

یں کچھ دن گذرے کہ نسبتاً وہاں کا موسم اس زمانے میں ٹھنڈا اور سمجھا جاتا ہو کہ آب وہوا وہاں کی عموماً صحت پرور رہی۔ ہزاری باغ ہی میں پہلے اٹھنے بیٹھنے، اور آخر میں کچھ چلنے پھرنے کی قوت بتدریج واپس ملنے لگی، پھر اپنے دیہاتی مستقر گیلانی کی طرف واپس ہو گیا۔ تقریباً چھ مہینے اس سلسلے میں ختم ہوئے جامعہ عثمانیہ سے اتنے دنوں تک غائب رہا۔ تنخواہ بھی نصف ملتی رہی، اور ڈاکٹری علاج میں مصارف کا غیر معمولی بار عائد ہوا۔[۱] غالباً جنوری ۱۹۲۶ء میں پھر جامعہ عثمانیہ میں رجوع ہو گیا، اور کام کرنے لگا۔ تقریباً یہ سال بھی پورا ہوا، مولنا عبد الباری ندوی استاذ جامعہ اور فقیر کچھ دن سے ایک ہی مکان میں رہنے لگے تھے۔ بیماری کے نازک دنوں میں مولنا نے زبانی ہی نہیں بلکہ عملی ہمدردی بھی فرمائی۔ واپسی کے بعد پھر ان ہی کے ساتھ قیام رہا کیوں کہ تعلقات اس عرصہ میں بہ نسبت پہلے کے اور زیادہ قریب ہو چکے تھے کہ اچانک مولنا نے حج کے ارادے کا اعلان کیا، مولنا نے بھی اعلان کیا اور ان کے بچپن کے رفیق قدیم مولنا عبد الماجد صاحب مدیر صدق کی طرف سے بھی اسی اعلان کے اعادے کی خبریں مجھ تک پہونچنے لگیں تھیں اور گو مولنا عبد الماجد صاحب کے ساتھ رہنے سہنے کا موقع زندگی میں کبھی نہیں ملا، لیکن جن دنوں بیمار ہوا تھا، اس سے کچھ دن پہلے مولنا سے نیازمندی کا رشتہ قائم ہو چکا تھا، پٹنہ ہسپتال میں جب تقریباً بیہوش پڑا ہوا تھا، اور پہلا آپریشن ہوا تھا، آپریشن کے بعد کچھ خفت محسوس ہوئی، آنکھیں کھل گئیں، تو یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اپنے سرہانے دیکھتا ہوں کہ دعا میں اٹھائے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ کوئی کھڑا ہوا ہے، اتنا ہوش واپس آچکا تھا، پہچان کر آنکھوں میں آنسو بھر گئے کہ ہمارے کرمفرما مولنا عبد الماجد صاحب مدیر صدق ہیں۔ ع باہم نگریستم گریستم گذشتیم۔ گویا حیات بعد الموت کے بعد پہلی نظر ان ہی پر پڑنی ہی مقدر ہو چکا تھا۔ میری علالت کی تشویشناک خبروں سے بے چین ہو کر مولنا قینہ میری عیادت کے لیے تشریف لے آئے تھے۔

الغرض علالت کے اس دوران میں منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اس غیر مترقبہ نعمت نے

---

[۱] والد مرحوم سید حافظ ابو الخیر فرمایا کرتے تھے کہ ڈاکٹری علاج میں جسم اور روپے کی تھیلی دونوں میں بیک وقت آپریشن کے عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۲

بھی سرفرازی ہوئی، کہ مولٰنا عبدالماجد اور مولٰنا عبدالباری ان دونوں بزرگوں کے ساتھ روابط میں
میں غیر معمولی استحکام و استواری پیدا ہوگئی، اور امید اسی کی ہو کہ ان بزرگوں کی ذرہ نوازیوں سے
دنیا کے ساتھ "الآخرۃ" میں بھی استفادہ کا موقع انشاءاللہ عطا کیا جائے گا کہ ان رواسم و روابط کی
بنیاد "تقوی" پر قائم ہو، ساری خلتیں جس دن عداوتوں سے بدل جائیں گی الا المتقین کو اس
عام قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہو

خلاصہ یہ ہو کہ حیدرآباد کے جس مکان میں خاکسار اور مولٰنا عبدالباری مقیم تھے، اب اس
مکان میں صبح و شام حج، سفر حج اور اس کے مقدمات و تمہیدات کا تذکرہ چھڑا، اور اس طرح چھڑا کہ
جیسے جیسے سفر کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا اس تذکرے کے سوا دوسرے تذکروں کی گنجائش کم ہوتی جاتی
تھی، سامنے یہ قصہ تھا اور اس عرصہ میں مولٰنا عبدالماجد صاحب کے مکاتیب میں بھی حج ہی کے
ارادے اور تیاریوں کا ذکر ہوتا، سمند ناز پر جو مسلسل تازیانے کا کام کر رہا تھا، ہوک دل میں اٹھتی تھی
علالت کے طویل سلسلے نے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہو میری مالی حالت کو زبونی کی آخری حدود تک
پہونچا دیا تھا، قرض اور دیون کے بار ہی سے پیٹھ جھکی ہوئی تھی، ایسی صورت میں دبی ہوئی آرزو
کے ابھرنے کا موقعہ کیا تھا، مولٰنا عبدالباری اپنے ملنے جلنے والوں سے جب مسئلہ حج پر گفتگو شروع
فرماتے تو ندامت و خجالت کی زردی چہرے پر پھیل جاتی، زبان بھی بند ہو جاتی، اور شاید شنوائی کا
رشتہ بھی قلب کے ساتھ باقی نہ رہتا، لوگ مختلف مشورے مولٰنا کو دیتے، یہ کیجیے وہ کیجیے، حج کے
پرانے تجربہ کار سفر کے نشیب و فراز اور ضرورتوں سے آگاہ کرتے، اور دور پلنگ پر لیٹا ہوا ایک
معذور و مجبور صرف کروٹوں پر کروٹیں بدلنے کے سوا نہ کچھ کرتا تھا نہ کچھ کر سکتا تھا۔

دن گذرتے رہے، قصے ہوتے رہے تا اینکہ شاید ہفتہ عشرہ سے زیادہ وقفہ باقی نہ رہا
تھا کہ حیدرآباد سے حج کی رخصت کی کارروائی کو مکمل کرانے کے بعد مولٰنا عبدالباری اپنے رفیق کو
اسی مکان میں چھوڑ کر روانہ ہو جائیں، ولولے اٹھتے تھے اور دب دب جاتے تھے لیکن وقت کی تنگی
اپنے آخری حدود پر پہونچ گئی تھی کہ۔

اچانک عزم کی بجلی سی تھی جو سینے میں چمک اٹھی، شاید رات کی تاریکی میں اس عزم کا

مقدس نور قلب میں پیدا کیا گیا، دوسرے دن وہی جو مہینوں سے اس مسئلہ کے متعلق مولٰنا عبدالباری کے لیے کچھ اجنبی اجنبی سا بنا ہوا تھا، اسی نے مولٰنا سے عرض کیا کہ "فرمائیے اپنی ہمرکابی میں اس کو بھی شریک ہونے کی اجازت مل سکتی ہو جس کی شرکت کا بظاہر کوئی ذریعہ سردست پیش نظر نہیں ہو" یہ مولٰنا کے دل کی بات تھی چوں کہ میری طرف سے کسی رجحان کو نہیں پاتے تھے وہ خاموش تھے، میرے اس عرض پر شگفتہ ہو گئے، مگر جس تالے کی کنجی گم ہو اس کے کھلنے کی صورت کیا ہوگی؟۔

اب کیا بتاؤں کہ جس تالے کی کنجی میری ناقص و جاہل عقل کے نزدیک گم شدہ تھی، وہ میرے سامنے کس رنگ میں لائی گئی؟ تفصیل سن کر کیا کیجیے گا "بیدہ الخیر" نے اپنا ہاتھ کھول دیا، نہ کسی سے قرض ہی لینا پڑا، اور نہ امداد و اعانت کی رسوائی و ذلت کی برداشت کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے پر مجبور ہوا، کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی، اسی ہفتہ عشرہ کے تنگ وقت میں ساری کارروائی نیچے سے اوپر تک طے پا گئی، اور ٹھیک جس دن مولٰنا لکھنؤ اس لیے روانہ ہوئے کہ والدین کو ساتھ لے کر سفر حج پر روانہ ہو جائیں، خاکسار بھی اپنے اعزہ و اقربا سے ملنے اور رخصت ہونے کے لیے حیدرآباد سے راہئی بہار ہوا، ماہ رمضان المبارک کی آخری تاریخوں میں گھر پہونچا، عید کی نماز پڑھی، اور اہلِ وطن سے رخصت ہو کر بمبئی کے ارادے سے روانہ ہو گیا، میرے منجھلے بھائی برادرم مکارم احسن گیلانی سلمہ گیا تک بمبئی میل پر سوار کرانے کے لیے ساتھ آئے، صرف ایک دری ایک کمبل و چادروں کے علاوہ دو تکیے بستر میں رکھے گئے، ان تکیوں سے روئی نکال لی گئی تھی، اور یہ ہمارے برادر عزیز مکارم سلمہ کی جدت طرازی تھی کہ روئی کی جگہ ان ہی دو تکیوں میں انھوں نے آٹھ دس جوڑے کرتوں اور پائجاموں کے اور بنیائن وغیرہ رکھ دیے۔ اب یہی دونوں تکیے میرے تکیے بھی تھے، اور یہی کپڑوں کا بقچہ بھی، ٹرنک بھی یہی اور یہی سوٹ کیس بھی، یہ تو مختصر سا بستر تھا، ایک ٹفن کیریر اور چمڑے کا پورٹ منٹو جیسا ایک بیگ، بس یہی کل کائنات سامان سفر کی تھی۔

بمبئی میل رات کے تین چار بجے گیا سے روانہ ہوتا ہو، مجھے میرے عزیز بھائی نے ریل کے ڈبے میں بٹھا دیا۔ اور ان کے سینے میں جو دبی ہوئی آواز تھی، گریہ اور بکا کی آواز کے ساتھ مل جل کر نکل رہی تھی، وہ کہہ رہے تھے۔

"سرکار کے دربار میں جارہے ہیں اس غریب دور افتادہ اُمتی کا سلام عرض کر دیجئے
گا، اور عرض کر دیجئے گا کہ امت جس حال میں ہو اس کی طرف توجہ فرمائی جائے، ایمان و
اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بغاوت پر لوگ آمادہ نظر آرہے ہیں، عہدِ وفا بھلایا
جارہا ہے۔"

کچھ یہ اور اسی قسم کی باتیں بیساختہ رخصت کرتے ہوئے وہ کہتے جارہے تھے۔ میرا دل بھی بھر آیا،
گاڑی نے سیٹی دے دی، اپنے عزیز بھائی کے اس آخری پیغام کے سوا اب دماغ اور دل میں کچھ نہ تھا'
گاڑی روانہ ہوگئی، دونوں بھائی ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے جدا ہوگئے۔ کہ "اُمت کے بکھرے
ہوئے شیرازے کو جس کی دعا سمیٹ سکتی ہو وہاں جاکر کچھ پیروی کیجیے گا۔ گڑگڑائیے گا، روئیے گا۔

رات کی تاریک فضا کو بمبئی میل کا دیوہیکل انجن چیرتا، پھاڑتا، چیختا چلاتا ہوا چلا جارہا تھا،
اور اسی طویل گاڑی کے ایک گوشہ میں خدا جانے کن کن آرزوؤں پر لوٹتے ہوئے ایک فقیر بے نوا
بمبئی سے قریب ہوتا جارہا تھا، رات کٹ گئی، دن آیا وہ بھی گذر گیا، پھر رات آئی اور دوسرے دن
کی صبح آٹھ بجے وکٹوریا ٹرمینس پر گاڑی ٹھہر گئی، پلیٹ فارم پر مولٰنا عبدالماجد صاحب کی جھلک
محسوس ہوئی، وہ پہلے تشریف لاچکے تھے نوازش فرمائی تھی کہ جو تنہا آرہا ہو اس کو اپنے ساتھ ٹھہرالے
جائیں، مرحوم مولٰنا شوکت علی کے ساتھ "خلافت ہاؤس" میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، فقیر کو بھی
وہیں لے جاکر اس کمرے میں ٹھہرا دیا جس میں ہمارے فاضل قدیم دوست مولٰنا عرفان مرحوم قیام
فرما تھے، اب اس وقت یاد نہ رہا کہ بمبئی میں کتنے دن ٹھہرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جہاز کا انتظار تھا،
مولٰنا عبدالباری صاحب بھی لکھنؤ سے تشریف لاچکے تھے، مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ ٹکٹ کب لیا گیا
اور پاسپورٹ کی کارروائی کب ہوئی، کیسے ہوئی، بظاہر شاید آٹھ دس دن بمبئی میں قیام رہا،
کھانا دونوں وقت مولٰنا شوکت علی مرحوم کے ساتھ ہم لوگ کھاتے رہے، ٹونک کے ایک پرانے
ملنے والے مولٰنا ریاض النور بمبئی کی جمعیت العلماء کے رکن خاص تھے۔ اور کسی مشہور مسجد میں جس کا
نام اب یاد نہ رہا اسی میں مولٰنا ریاض النور کا قیام تھا، کبھی کبھی ان سے ملنے چلا جاتا تھا، انھوں
نے میرے ساتھ یہ دیکھ کر کہ پان کا عادی ہوں، چند سیر کتھہ (بھوپال والا) بنوا کر یہ کہتے ہوئے حوالے

کر دیا کہ جہاز میں پان نہ ملے گا، اس وقت یہی گنگا مغتنم ثابت ہوگا، سامان سفر میں ٹفن کیریر جو تھا بمبئی ہی میں اسے چھوڑ دیا گیا اور بجائے اس کے ایک کیمپ کارڈ جہاز پر بیٹھنے پوٹنے کے لیے اور سمندر کے نظارے کے لیے کپڑے کی ایک آرام کرسی خریدی گئی، آخر وقت جہاز میں سوار ہونے کا آگیا، سمندر کا یہ پہلا سفر تھا کیمپ کارڈ اور آرام کرسی خوب کام آئی۔ دس دن جہاز میں گذرے، ملا علی قاری کی کتاب المناسک ساتھ تھی، اسی سے مسائل کا اتفاقات کر کرکے ان حاجیوں کو بتا دیا جاتا تھا جو پوچھتے تھے، کبھی کبھی رات کی تاریکی میں جہاز کی آخری بالائی سطح پر تنہا چلا جاتا، سامنے سمندر کا پانی اور جگمگاتے تاروں سے بھرے ہوئے آسمان کا سناٹے کے اس عجیب غریب وقت میں نظارہ، جہاز بڑھتا جا رہا تھا، اس خطہ اور پاک سرزمین کی طرف بڑھتا جا رہا تھا، دل کی گہرائیوں سے جسکے متعلق رہ رہ کر آواز آتی تھی۔

اے خنک شہرے کہ تو باشی دراں	فرخا شہرے کہ تو باشی دراں
مسکن یار است شہر شاہ من (اقبال مرحوم)	وائے امروزم خوشا فردائے من

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کا یاد دلایا ہوا "پیغام" دماغ کی سطح پر پہونچ کر مچلنے لگا۔ بے ساختہ زبان سے مصرعے نکلنے لگے، ابتدا تو مادری زبان اردو ہی سے شروع ہوئی،

ہر شغل سے گھبرا کر	ہر ایک سے ٹکرا کر
ہر فعل سے شرما کر	ہر کام سے پچتا کر

آمد بدرت بنگر

اے خاتم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد فارسی مصرعوں کا زور بندھا، نیچے اتر آیا، روشنی میں قلم بند کرنے لگا، خاتمہ عربی کے چند مصرعوں پر ہوا "عرض احسن" کے نام سے یہی نظم موسوم ہوئی، اور پیش کرنے کے لیے "تحفۂ درویش" تیار ہوگیا، مولانا عبدالماجد سے جہاز ہی میں تذکرہ کیا گیا، سنا، کس حال میں تھا، سنانے والے اور سننے والے کے سوا شاید کوئی دوسرا موجود نہ تھا، دل کے حوصلے نکلے، نکالے گئے، دوسرے دن مولانا نے نظم کی نقل مانگ لی، غالباً عدن کے ساحل سے یا جزیرہ قمران (کامران) سے جو ڈاک انھوں نے ہندستان روانہ کی، اسی میں یہ نظم بھی تھی۔ دلی سے اس زمانہ میں "ملت" نامی

اخبار جعفری صاحب کا نکلتا تھا، پیش ہونے سے پہلے ہی شاید یہ نظم "ملت" میں شائع ہو گئی، بعد کو تو خدا جانے کتنی دفعہ طبع ہوئی، طبع ہونے کے ساتھ غائب ہو جاتی ہو، حتی کہ اس وقت بجز اس مکتوبہ مسودہ کے مطبوعہ شکل میں اس نظم کی کوئی کاپی خود پیش کرنے والے کے پاس بھی موجود نہیں ہے، شائد "الفرقان" کے اسی حج نمبر میں کسی جگہ آپ کو "عرض احسن" کے عنوان سے یہ نظم ملے گی بھی،

اسی حال میں دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، پیشانی کی آنکھوں کے لیے مسلسل ایک بسیط نظارہ وہی نیلا پانی، سمندر کا، اور نیلے رنگ کا آسمان، اکتا دینے والا نظارہ تھا، لیکن جہاز جس کا نام غالباً اکبر تھا، شاید ہزار سے اوپر آبادی کو لیے ہوئے پانی پر ایک مستقل گاؤں کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا، مولانا عبد الباری اور ان کے والدین مولانا عبد الماجد اور ان کی اہلیہ محترمہ اخت العرفات کے علاوہ حضرت مولانا محمد علی بانی و ناظم ندوۃ العلما (مونگیر) کے تینوں صاحبزادے مولانا شاہ لطف اللہ مرحوم مولانا نور اللہ مولانا منت اللہ ان کی والدہ اور ہمشیرہ اس خاص[1] تعلق کی وجہ سے جو حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاکسار رکھتا ہو، یہ مجمع وحدت کی شکل میں جہاز پر سمٹا ہوا تھا، گویا ایک مختصر سا قافلہ اکیس آدمیوں کا بن گیا۔ اس کا مادی فائدہ یہ ہوا کہ اکیس آدمیوں کے اس قافلہ میں بعضوں کے پاس فرسٹ کلاس کے بھی ٹکٹ تھے، اور زیادہ تر درجۂ سوم کے ٹکٹ والے تھے، فرسٹ کلاس کے ٹکٹ والوں کے طفیل میں تھرڈ کلاس والوں کو عرشہ پر قیام کا بھی موقع ملا اور درجۂ اول کے بیت الخلاء و غسلخانہ کے استعمال کا بھی حق حاصل ہوا، یہ بھی ہوتا کہ فرسٹ کلاس والوں کے کیبن (کمرے) کے استعمال کی ضرورت اکیس آدمیوں کے اس قافلہ میں کسی کو اگر ہو جاتی، تو اس اجتماعی شکل کا فائدہ یہ بھی تھا کہ ضرورت پوری

---

[1] تقریباً ایک سال تک حضرت والا کی خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں حضرت کے قدموں کے نیچے اس خاکسار کو زندگی کے بڑے مبارک دنوں کے گذارنے کا موقعہ ملا تھا، ماسوا اس کے حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا لطف اللہ مرحوم سے برادری کا تعلق بھی پیدا ہو چکا تھا، میری چھوٹی ہمشیرہ ان سے منسوب ہوئیں، مولانا لطف اللہ مرحوم پر حج و زیارت کا ذوق اس کے بعد اتنی شدت کے ساتھ طاری ہوا کہ اس سفر کے بعد انہوں نے دو سفر حجاز کے اور بھی کیے، آخری حج میں تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ سال بھر تک حجاز میں قیام فرمایا، کچھ دن مکے میں اور کچھ مدینے میں گذارے، ہندوستان واپس ہوئے تو عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور شاید ان کی جوانی بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ خاکی زندگی کی مدت ختم ہو گئی۔ غفر اللہ لہ ۱۲

ہو جاتی، یعنی فرسٹ کلاس کے ٹکٹ والے صاحب عرشہ پر چلے گئے اور اپنی جگہ تھرڈ کلاس والے صاحب کو بھیج دیتے، عرشہ میں کیمپ کارڈ والے کھٹولے سے خوب مدد ملی۔

اس جہازی بستی کے باشندوں کے لیے ایک ہی مسجد کا انتظام تو ممکن نہ ہو سکا، مگر جماعت کی نماز متفرق جگہوں پر ہوتی رہتی تھی، ایک ٹکڑی کی امامت کا فرض بھی فقیر کے سر تھوپا گیا اور جہاز میں چند موتیں بھی ہوئیں، ان کے جنازے کی نماز بھی اپنے پیشۂ ملائیت کی وجہ سے فقیر ہی نے پڑھائی اسی سلسلے میں بجائے مٹی کے پانی میں دفن ہونے کا تماشا بھی دکھایا گیا، مرنے والے مرحوموں کے پاؤں میں کوئی وزنی چیز (پتھر یا لوہا) ڈال دیا جاتا تھا اور ایک چکنے تختے پر کفن پہنائی ہوئی لاش رکھ دی جاتی جو آسانی کے ساتھ سرک کر پانی میں چلی جاتی، جہازی بستی کے اس آبی قبرستان کا نظارہ بڑا دردناک تھا، بحالت مسافرت گھر در سے دور، اجنبیوں کے درمیان دنیا کے قیام کی مدت کو پوری کر کر کے لوگ سمندر کی تاریک و عمیق گہرائیوں سے "عالم نور" کی طرف روانہ ہو رہے تھے، مرنے والوں کو ان کی آبی قبر میں سلاتے ہوئے بڑھنے والے آگے بڑھے جاتے تھے۔

حالانکہ ہفتہ دن سے زیادہ مدت نہ گذری تھی، لیکن جانتے ہیں جی جس چیز کو دیکھنے کے لیے سب سے زیادہ بے چین تھا وہ زمین کی مٹی تھی، وہی مٹی جس پر برسوں چلتے پھرتے رہے، اسی سے نکلے، اسی پر زندگی بخشی گئی، اسی پر سوتے اور اسی پر جاگتے تھے، خطرہ بھی اس کا دل پر نہیں گذرا تھا کہ جیسے پیاسا پانی کے لیے ترس جاتا ہو، ایسا وقت بھی اسی زمینی زندگی میں آئے گا کہ ہم مٹی کو دیکھنے کے لیے ترسیں گے، مگر ترسے اور خوب ترسے، یہ ہفتہ مٹی پر نہیں بلکہ پانی پر گذرا، اسی پانی پر جس کے نیچے مٹی تھی، مگر میرے لیے تو صرف پانی ہی پانی تھا، عجب پانی؟ آنکھوں سے جب تک دیکھیے وہ پانی تھا، مگر ہاتھوں سے چھونے کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ شاید گوند ہو جو پانی میں گھول دیا گیا ہو، اور زبان پر رکھنے کے ساتھ ہی نہ پوچھیے کہ ذائقہ کی قوت اس پانی کو کیا پاتی تھی، "تلخ نمک کا محلول" حیرت ہوتی تھی کہ اس کڑوے کسیلے، غلیظ گاڑھے پانی کو ہمارے گھروں تک خوش مزہ، شیریں، صاف و پاک، خنک بنا کر کیسے پہونچایا جاتا ہو۔ سمندر کے اسی تلخ و تند پانی کو ہر قسم کی آلائشوں اور ناگوار عناصر سے پاک و صاف کر کے انسانی آبادیوں پر الٹنے والا ہر سال کس

طرح الٹتا ہو کیسے الٹتا ہو قدرت کے ہاتھوں کا یہی الٹا ہوا سمندری پانی جو بمبئی میں جہاز کی ٹنکیوں میں بھرا گیا تھا، جب ختم ہو گیا، تو انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے میکانیکی آلات سے سمندر کے اس تلخ و تند پانی کو صاف کیا گیا، اور جہازی بستی کے آباد کاروں میں یہی پانی تقسیم ہونے لگا۔ اس میں شک نہیں کہ ناگوار عناصر سے تو شاید یہ پانی پاک ہو گیا تھا لیکن "گوارائی" کی ایجابی کیفیت سے پھر بھی محروم تھا، پیاس تو اس سے بجھ جاتی تھی، لیکن جی نہیں بھرتا تھا، اس وقت بھی یہی سمجھ میں آیا کہ "قرآن کسی انسان کا مصنوعی کلام نہیں بلکہ قدرتی کلام ہے" اس دعوی کو پیش کرتے ہوئے یہ مطالبہ جو کیا گیا ہو کہ "اس جیسا کلام لاؤ" تو قدرتی اور مصنوعی چیزوں میں امتیاز کا اس کے سوا اور معیار ہی کیا ہو سکتا تھا۔

بہرحال مصنوعی ہی سہی لیکن پانی کی پیاس اس مصنوعی صاف کیے ہوئے پانی سے بجھی رہتی تھی، لیکن اس آبی قلمرو میں پہونچ کر مٹی یا خاک دھول کی نئی پیاس کا نیا تجربہ جو پیش آیا تھا اسکے بجھنے بجھانے کی کوئی صورت غالباً ایک ہفتہ تک سامنے نہ آئی، کہ یکایک بعض دوربین نگاہ والوں کی طرف سے ہنگامہ شروع ہوا کہ افریقہ کی سمت میں کچھ دھندلے دھندلے سے دخانی سائے دکھائی دے رہے ہیں، جہاز کی آبی آبادی میں غل مچ گیا، جو تھا اسی دھندلے سائے کی جستجو اور تلاش میں منہمک ہو گیا، گویا ساری آبادی جہاز کے ایک ہی حصہ کی طرف پلی اور دھنسی چلی جاتی تھی۔ تب معلوم ہوا کہ مٹی اور ریت، خاک دھول کی جو نئی پیاس مجھے تڑپا رہی تھی اس پیاس کا تنہا شکار میں ہی نہ تھا، یہ کیا ہے؟ کوئی پہاڑ ہے، کوئی ٹیلا ہے، یا صرف آنکھ کا دھوکا ہے، طرح طرح کے وسوسے تھے، خیالات تھے، جو مختلف دماغوں اور دلوں میں پیدا ہوتے تھے اپنے اپنے احساس کا اظہار ہر ایک کر رہا تھا، سنائی کا شعر ؎

آب چوں کم شود بجاں جویند   چو بیابند کون از و شویند

اس وقت بجائے پانی کے مٹی پر منطبق ہو رہا تھا، نعمت کی قدر نعمت کے زوال کے بعد ہوتی ہے، آج مٹی اور دھول بھی اس نعمت زائلہ کی شکل اختیار کیے ہوئے تھی، خدا خدا کر کے دھوکے کا بادل پھٹا اور پانی سے دور بہت دور، واقعی ساحل کی کیچڑ کا کچھ حصہ چہرے سے نقاب الٹتے ہوئے بشارت کا پیغام مٹی کے ان پیاسوں کے لیے بننے لگا۔

شور بلند ہوا کہ "کامران" کا جزیرہ آرہا ہے، یہ عرب کے علاقہ یمن سے تعلق رکھنے والا عربی جزیرہ تھا، یہ بھی معلوم ہوا کہ قرنطینہ کے لیے اس جزیرہ میں جہاز والوں کو اتارا جائے گا اور دل کا حال تو معلوم نہیں، لیکن جس خاک سے پیدا ہوئے تھے اسکے فراق کی مدت اپنے لیے تو ناقابل برداشت بنتی جا رہی تھی، گونہ اطمینان ہوا کہ قرنطینہ ہی کے لیے سہی مگر زمین کے دیکھنے کا موقع تو میسر آئے گا۔ اور اس سے بھی زیادہ تحت الشعور شاید ایک اور جذبہ بھی مخفی تھا، واقعہ یہ ہے کہ زمین کے کرے میں تعدد کا خیال ان ناموں کی وجہ سے جو پیدا ہو گیا ہے، جن سے زمین کے مختلف حصوں کو لوگوں نے موسوم کر رکھا ہے۔ ایشیا، یورپ، امریکہ، وافریقہ، یا ہند، چین، ایران و مصر وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ صرف اصطلاحی باتیں ہیں اور واقعے میں خاک کا ایک تودہ ہے جس میں کہیں کہیں پہاڑ، کہیں پانی کے بڑے ذخیرے پائے جاتے ہیں، لوگوں نے یہ یا اسی قسم کی چیزوں کو حد بنا کر فرض کر لیا ہے کہ فلاں نام والے ملک کی سرحد اس حد پر ختم ہو جاتی ہے یا فلاں حد سے شروع ہوتی ہے، جغرافیہ کے اٹلسوں میں ان ہی فرضی حدود کے اندر گھرے ہوئے ارضی حصوں کو مختلف رنگوں سے رنگین کر دیا جاتا ہے۔ واقعہ کی کل نوعیت اتنی ہی ہے لیکن سیاسی اغراض کی تکمیل کے لیے لوگوں نے ان فرضی بلکہ وہمی حدود میں اتنی اہمیت پیدا کر دی ہے کہ دنیا ان ہی وہمی اور فرضی حدود کے احترام و سالمیت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو گئی، محبت و عداوت کے واقعی جذبات کے چند اساسی محوروں میں ایک بڑا اہم محور وہم کی یہی پیداوار ہے، اور کچھ ایسا سمجھا دیا گیا ہے کہ جیسے لفظوں میں چین کا لفظ ہند سے اور ہند کا لفظ عرب کے لفظ سے جدا ہے اسی طرح واقع میں بھی زمین کے یہ علاقے جو ان ناموں سے موسوم ہیں ایک دوسرے سے جدا اور الگ ہیں، گویا جیسے مریخ کا کرہ زہرہ سے اور زہرہ کا کرہ مشتری سے تعلق رکھتا ہے، وہی تعلق کرۂ زمین کے ان علاقوں میں بھی ہے۔

بہر حال ہے تو اوطان یا ممالک و اقالیم کا یہ قصہ بالکل وہم کا اختلاق، مگر کیا کیجیے کہ بچپن سے ذہن انسانی میں جو باتیں رچا اور بسا دی جاتی ہیں، عقل لاکھ زور مارے لیکن ان کا دل سے نکلنا مشکل ہے، تجرید و تفرید میں "نبوت" اور وہ بھی "نبوت کبریٰ" سے بلند منزل پر اور کون ہو سکتا ہے لیکن سیرت کی کتابوں میں اس مشہور واقعہ کا تذکرہ کیا ہی جاتا ہے کہ مکہ سے ایک صاحب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے آپ نے مکہ کا حال پوچھا، آنے والے صاحب میں غالباً کچھ شعریت بھی تھی انھوں نے مکہ کی چاندنی راتوں کی بھی چند خصوصیتوں کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ ایسے الفاظ میں کیا کہ راوی کا بیان ہے "اغر و

رقّتْ عَلَيْنَا ○ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے) اور فرمایا چپ ہو۔ (دیکھی برد و عض)
ہر مسلمان خواہ کسی ملک میں رہتا ہو اسکے کان میں عرب کا ذکر ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی گونجنے لگتا ہو، کثرتِ ذکر غیر معمولی تعلق
اس ملک سے پیدا کر دیتی ہو، جس وقت کامران کا ساحل قریب آنے لگا، عرب کے ساتھ تعلق کا بھی غیر معمولی جذبہ متلاطم ہونے
لگا، ساحل کے قریب سمندری چلیں (سی گل) اُڑ رہی تھیں، پرندوں پر بھی شاید ایک ہفتہ کے بعد نظر پڑی تھی، ساحل آ گیا
شاید کشتیوں میں بیٹھ کر ہم لوگ جزیرے میں اترے اور "حسبم اللہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات" کہتے ہوئے اور یہ
سوچتے ہوئے کہ سرزمینِ عرب پر پہلی دفعہ قدم رکھنے کا موقعہ پا گیا ہو، جی چاہتا تھا کہ بجائے قدم کے سر سے اس خاک
زمین کے مس کی سعادت میسر آتی مگر رفقاء سفر کا حجاب مانع ہوا، لوگ قرنطینہ کے قصوں میں تھے اور ایک دیوانہ ادھر
سے ادھر چھلانگیں مارتا پھرتا تھا، کیا ٹھکانہ تھا ان ولولوں کا جو اس تصور کے ساتھ دل میں جوش مارتے تھے کہ۔

"اب میں عرب میں ہوں عرب ہی کے ایک قطعہ پر گھوم پھر رہا ہوں"۔

دن تو کچھ غسل اور بھپارے وغیرہ کی اصطلاحی مشغولیتوں میں گذرا، بڑی خنک اور لطیف تھی وہ رات جو اس جزیرے میں غروب
آفتاب کے بعد ہمارے سامنے آئی یاد پڑتا ہو کہ چاندنی بھی غالباً تھی، تنہائی جب کبھی رات کی اس تاریکی میں میسر آجاتی تھی پھر نہ پوچھیے کہ
اس جزیرے کے بالو اور ریت کو کس کس چیز پر ڈالتا تھا "خاک بر سر کن" غم کے موقع کا فعل ہو لیکن آج غایتِ مسرت و نشاط
میں اسی فعل کا اعادہ کیا جا رہا تھا، کامران کی ٹھنڈی منور ہماری یہ رات گذر گئی صبح کو آفتاب نکلنے کے بعد غالباً دوسرے دن
ہم لوگ اسی جہاز پر واپس کر دیے گئے جس سے آتارے گئے تھے، قرنطینہ کی جگہ کامران میں ساحل کے کنارے تھی کچھ سرکاری مکانات
بنے ہوئے تھے، انگریزی حکومت کیطرف سے کچھ حکام یہاں مسلط تھے بظاہر آبادی اندرون جزیرے میں تھی جسکے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا۔
غالباً اسی آبادی سے انڈے مرغی اور ضرورت کی دوسری چیزیں لیکر اعراب جزیرہ قافلہ میں آئے ہوئے تھے، سب سے زیادہ حیرت
اسپر ہوئی کہ انناس کے مربے کے بند ڈبے اس جزیرہ میں ہم ہندیاسی کے قریب ارزاں قیمت پر مل رہے تھے، لوگوں نے خوب
لیا اور کھایا، غالباً فرانس میں یہ ڈبے پیک کیے گئے تھے اور اس جزیرے تک میں اتنے ارزاں داموں پر وہ فروخت ہو رہے
تھے، خیال آتا ہو کہ انگریزی حکومت کی طرف سے طبی محکمہ کے افسروں میں ایک نوجوان عورت بھی تھی، اجنبی مردوں
کے ساتھ اس لیڈی ڈاکٹر کو رہنے سہنے کی اجازت جس ماں باپ نے دے رکھی تھی، ان پر افسوس
ہوا، مگر ناموس کا مسئلہ جن قوموں میں کسی حال میں بھی محلِ افسوس باقی نہیں رہا ہو ان پر افسوس
کرنے والے ہی شاید مستحقِ افسوس ہوں،

جہاز میں پھر لوگ سوار ہو گئے، وہی پانی اور آسمان، کا بسیط نظارہ پھر سامنے تھا، دن کے وقت کبھی کبھی نظارے کی اس بساطت میں ان مچھلیوں کی وجہ سے جنبش پیدا ہو جاتی تھی، جو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے مانند ہزاروں کی تعداد میں جہاز کے ساتھ ساتھ اڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، وہ مچھلیاں اڑتیں گی؟ کیا؟ دراصل اچھل کر ایک جگہ سے پھاند کر دوسری جگہ پہونچتی تھیں،

بحر احمر جس کا نام دریائے قلزم بھی ہے، جدہ کا ساحل اسی سمندر کے کنارے ہے، اس کے تنگ ترین دہانہ باب المندب سے جہاز ٹھیک صبح کے وقت پاس ہو رہا تھا۔

عدن کے دیکھنے کا موقع نہ ملا، شاید رات کو گذر گیا۔ یا جہاز اس کے قریب نہ ہوا۔

اسی عرصے میں اچانک جہاز میں ایک نیا چرچا شروع ہوا، لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یلملم کا میقات (جہاں سے حجاج احرام باندھتے ہیں) اب آنے والا ہے۔ سمندر ہی میں جہاز یلملم کے سامنے آجائے گا۔ جہاز میں گھنٹی بجے گی۔ اور لوگ احرام باندھنے میں مشغول ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ یلملم کا پہاڑ جہاز سے نظر نہیں آتا، جہاز کا کپتان اپنے نقشہ کی بنیاد پر مطلع کرتا ہے۔ خاکسار ان باتوں کو سن رہا تھا۔ دل میں ایک خیال تھا، اسے اب تک دبائے چلا جا رہا تھا۔ لیکن اب وقت آگیا کہ فیصلہ کیا جائے۔ عام طور پر

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ
فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا
رَّحِيْمًا
(النساء)

اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر تمہارے
پاس (اے پیغمبر) آئیں اور اللہ تعالیٰ سے گناہ
کی مغفرت طلب کریں اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
بھی ان کے لیے مغفرت کے طلبگار ہوں تو پائینگے
وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان۔

کی قرآنی آیت کی تلاوت اس وقت لوگ کر دیتے ہیں، جب مدینہ منورہ کی حاضری کا مسئلہ چھڑ جاتا ہو۔ خدا ہی جانتا ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے مسئلہ کا استنباط اس قرآنی نص سے سب سے پہلے کس نے کیا۔ لیکن اس استنباط کو غیر معمولی حسن قبول حاصل ہوا، گویا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ "جَآءُوْكَ" "آئیں تمہارے پاس" کا یہ مطلب کہ اس کا تعلق صرف اسی زمانہ کے ساتھ محدود نہیں ہے جب روضۂ اطہر سے باہر مدینہ منورہ میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما تھے، بلکہ روضۂ طیبہ میں عزلت گزیں ہو جانے کے بعد بھی خدمت مبارک میں جو حاضر ہو گا وہ استغفار کے اس قرآنی دستاویز سے مستفید

ہو سکتا ہے۔ تو اب اس مطلب کی حیثیت ایک اجماعی مسئلہ کی ہے، فقہ وحدیث اور مناسک کی ہر وہ کتاب جس میں کسی نہ کسی حیثیت سے مدینہ منورہ کی حاضری کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں اسی اجماعی تفسیر کے ساتھ اس قرآنی نص کے درج کرنے کا عام رواج ہے۔

اسی "اجماعی تفسیر" نے شاید اسی زمانہ میں جب سفر حجاز کی نیت کر چکا تھا، قرآن ہی کی دوسری آیت بھی

وَاِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ	اور جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو مانتے
بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ	ہیں ہماری آیتوں کو، تو کہو سلام ہو تم پر، لکھ دیا
رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ	کیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو، یہ
عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ	کہ جو کرے تم میں سے کوئی بری بات نادانی سے
ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ	پھر پلٹ پڑے (یعنی توبہ کرے) اس کے بعد
وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اور سنور جائے تو وہ بہت بڑا بخشنے والا بہت
(الانعام)	بڑا مہربان ہے۔

سے یہ احساسات قلب میں پیدا ہوئے کہ اس نص قطعی کے رو سے یہ یقینی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "السلام علیکم" کی دعا ہر اس شخص کو میسر آتی ہے جو ایمان کے ساتھ آستانہ نبوت کبریٰ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے، اور یہ خبر بھی براہ راست اللہ کے آخری رسول رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اس کو پہونچائی جاتی ہے کہ توبہ و اصلاح کے بعد اپنے مالک کو وہ غفور (بہت بڑا بخشنے والا) اور رحیم پائے گا۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت ہی کے مضمون کا اعادہ الانعام کی اس آیت میں اس اضافہ کے ساتھ کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "سلامتی" کی دعا بھی قطعی طور پر ہر وہ مومن حاصل کرتا ہے جو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ہے۔

امتی سلام عرض کرتا ہے، لیکن برگشتہ بخت یہ کار دوں کو اس سلام کا جواب بھی دیا جاتا ہے اب تک تو حدیثوں ہی سے اس کا ظنی علم پیدا ہوتا تھا مگر سورۃ الانعام کی اس آیت نے اس ظنی علم کو قطعی اور یقینی بنا دیا۔

اس راہ کے بعض خاص افراد سے جہاز ہی میں اپنے اس اندرونی احساس کا اظہار بھی کیا، اور ان ہی سے مشورے ہونے لگے کہ حج جیسی اہم عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سلامتی کی قرآنی

ضمانت مدینہ منورہ پہونچ کر حاصل کرلی جائے۔ ایک سے آگے بڑھکر بات دو تک اور دو سے تین تک پہونچی، ہمارا قافلہ اکیس (۲۱) آدمیوں کا تھا، فقہاء کا مسئلہ بھی بتادیا گیا کہ فرض حج میں ان کا فتوی یہی ہے کہ حج کے بعد زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا زیادہ مناسب ہے، البتہ نفلی حج میں اختیار ہے حج و زیارت میں سے جسے چاہے پہلے ادا کرے۔" فقہ اور مناسک کی عام کتابوں میں یہی مسئلہ پایا جاتا ہے، بعض فقیہ الطبع بزرگوں پر فقیر بے نوا کا مشورہ کچھ گراں بھی گذرا، "صوفیت کی رگ پھڑک اٹھی ہے" مجھ غریب ملاّ پر بہ طنز بھی کیا گیا۔ مگر رفتہ رفتہ ملاّئیت پر صوفیت غالب آگئی، اور اکیس آدمیوں کے اس قافلہ نے یہی طے کیا کہ بجائے اس مقام کے جہاں فرنگی کپتان کی راہ نمائی میں احرام باندھا جائے گا حج کا احرام ذوالحلیفہ میں، اسی جگہ انشاء اللہ باندھا جائے گا، جہاں نسل انسانی کے سب سے بڑے حاج صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وغیرہ کا احرام باندھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ "الحج" جو ایک مستقل مطلوبہ و مفروضہ عبادت ہے، اس کے ساتھ "زیارت" کے مسئلہ کا تذکرہ محض اس لیے کتابوں میں کردیا جاتا ہے، کہ مکہ معظمہ پہونچنے والے کے لیے مدینہ منورہ تک رسائی نسبتاً آسان ہوجاتی ہے، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ بجائے "مدینہ منورہ" کے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ طیبہ اگر مکہ سے ہزاروں میل دور کسی علاقے میں ہوتا، تو الحج کے ساتھ "الزیارت" کے ذکر کا خیال بھی کسی کو نہ ہوتا، کیونکہ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسا تعلق جو مثلاً وضو کا نماز سے، یا نماز کی مسنونہ دعاؤں کو نماز سے ہے، "حج" اپنی ایک مستقل عبادتی حقیقت رکھتا ہے، اور آستانۂ نبوت کبری پر کسی مرے ٹوٹے گرے پڑے امتی کی حاضری اس کی نوعیت ہی دوسری ہے،

مگر کتابوں میں "حج و زیارت" کے تذکرہ کا اتفاقی اجتماع، فتنوں کا سبب بن گیا۔ آج شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو اس قسم کی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، بڑے بڑے لوگوں نے نقل کیا ہو کہ شیخ الاسلام کہتے تھے کہ

انہ لیس من القرب بل	(رسول اللہ کے روضہ) کی زیارت ثواب کے کاموں
بضد ذالک (صفحہ ۳۰ زرقانی علی المواہب)	میں، نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے (یعنی زیارت کے لیے مدینہ جانا ثواب نہیں گناہ ہے۔)

ملہ اس باب میں کافی ذخیرہ مناظرانی کتابوں کا جمع ہوگیا ہو، شیخ الاسلام کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت علامہ تقی الدین سبکی کی کا ہو
(بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

یا اس کے برعکس بعض مدہوشوں سے سننے میں آیا کہ ہمارے حج کا قبلہ (کعبہ) مکہ میں نہیں مدینہ میں ہے، اور کسی غالی گمراہ شاعر نے کہا

بحق مرا مدینہ ہے، مدینہ ہے میرا کعبہ
میں بندہ اور کا ہوں امت شاہ ولاؔ ہوں

یہ سارے قصے محض اس سے پیدا ہوئے کہ زیارت کا ربط حج کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہو کہ رمضان کے مہینے میں عموماً زکوٰۃ دینے کے لوگ عادی ہیں، تو محض اسی بنیاد پر سوال اٹھا دیا جائے کہ روزہ رکھ کر زکوٰۃ ادا کرنا بہتر ہے۔ یا زکوٰۃ ادا کر کے روزہ رکھنے میں زیادہ خوبی ہے۔

بہرحال فقہاء نے جو کچھ لکھا تھا، وہ بھی سنا دیا گیا اور ساتھ ہی دل میں جو خیال تھا کب تک دبتا، اُسے ظاہر کرنا پڑا، ہمارے رفقاء کی مہربانی تھی کہ ترکِ رفاقت پر وہ آمادہ نہ ہوئے خصوصاً ہوش و حواس رکھتے ہوئے جن بزرگوں نے ایک دیوانے کے مجنونانہ شورہ کے ساتھ ہم نوائی کی دل ان کے اس کرم کا اب بھی ممنون ہے،

بہرحال عجیب تماشا تھا۔ فرنگی کپتان نے گھنٹی بجائی، کہ نادیدہ یلملم[1] کے سامنے ہمارا جہاز آگیا اور لوگ احرام باندھنے

(بقیہ نوٹ پچھلے صفحہ کا) شفاء السقام اس سلسلے میں ان کی مشہور کتاب ہے۔ "الصارم المنکی" کے نام سے شیخ الاسلام کے شاگرد ابن عبد الہادی نے جواب بھی دیا ہو، اسی کتاب میں ابن عبد الہادی نے لکھا ہے کہ زیارت قبور کو ابن تیمیہ نے اپنی کسی کتاب میں نہ حرام ٹھہرایا ہے اور نہ منع کیا ہے، بلکہ "استحبہا وحض علیہا" (یعنی اس کو مستحب قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کو اس پر آمادہ کیا ہے) انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ومصنفاتہ ومناسکہ طافحۃ بذکر استحباب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (یعنی ابن تیمیہ کی کتابیں اور مناسک پر جو ان کی کتاب ہے ہر ایک اس مسئلہ کے ذکر سے معمور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت بڑا اچھا کام اور محبوب فعل ہے، از زرقانی صفحہ ۳۰۰) ابن تیمیہ کے ایک رشید تلمیذ کی اس شہادت کے بعد اور کس چیز کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ ۱۲

[1] یلملم یمن والوں کی قدیم تاریخی میقات تھی، اب اس نام کی کوئی پہاڑی یمن والوں کے راستہ میں نہیں پڑتی، لیکن قدیم جغرافیہ کی مدد سے اس پہاڑ کو لوگوں نے متعین کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس حساب سے اس پہاڑی کے محاذات میں ہندوستان سے براہ جدہ مکہ جانے والوں کو دو دفعہ گزرنا پڑتا ہے ایک تو یہی سمندر کا مشہور مقام جہاں عام طور پر احرام کے باندھنے کا دستور ہے اور دوسری دفعہ یہی پہاڑیاں اس وقت محاذات میں آتی ہیں، جب جدے سے نکل کر بحرہ نامی قریہ کے پاس سے لوگ گزرتے ہیں، میقات سے پہلے احرام باندھنا چونکہ جائز ہے، جیسے کہ گھر ہی سے احرام باندھ کر کوئی چلے تو جرم نہیں اس لیے مروجہ مقام پر احرام باندھنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہے مگر اس مقام سے گزر کر اگر کوئی بحرہ کی محاذات میں پہونچ کر احرام باندھے یا جدہ اتر کر باندھے تو اس پر اعتراض کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کاش! اہل علم اس مسئلہ کی یکسوئی فرما دیتے۔ ۱۲

میں مصروف ہو گئے، صرف چند دیوانے اور ان کے ساتھ کچھ ہوش والے بھی تھے۔ جو احرام باندھنے والوں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ دیکھئے ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے، بیچ میں ایک اعتدالی راہ بھی پیش ہوئی کہ عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ حاضر ہو کر زیارت کے لیے مدینہ چلے جائیں اور حج کے موسم میں مکہ معظمہ پھر واپس ہو جائیں، مگر فقہاء نے لکھا تھا کہ اشہر حج میں مکہ پہنچنے کے بعد حج کرنے سے پہلے مدینہ نہ جانا چاہیئے[1]

پورا جہاز احرام کے لباس میں تھا، بجز ان چند ہوش حواس باختوں کے جو ساحل جدہ پر عام رواجی غیر احرامی لباس میں اترے تھے۔ ابھی ایک مہینہ سے زیادہ مدت موسم حج کی آمد میں باقی ہے، اس مدت کو گذارنے کے لیے (۲۱) آدمیوں کا یہ قافلہ جدہ سے براہ موٹر سیدھے مدینہ منورہ روانہ ہو گیا، ایک ہی لاری میں سب کو جگہ مل گئی۔

لاری کس حال میں چلی بس عجب حال تھا وہ منزل جو اونٹوں پر تیرہ چودہ دنوں میں پوری ہوتی تھی شاید ڈیڑھ دو دن میں پوری ہو گئی، راستہ میں شدت تمازت کی وجہ سے اور رات کی تاریکی کی وجہ سے غالباً دو تین جگہ اترنا پڑا، ایک منزل کا بیر حصانی (حسانی) نام یاد رہ گیا ہے، اس لیے یاد رہ گیا ہے کہ رات کو اس منزل کے خس پوش جھونپڑے میں قیام تھا، ایک مقامی عرب میرے قریب آیا، عربی میں خطاب کا جواب پا کر مانوس ہوا، باتیں کرنے لگا، پوچھا گیا کہ سعودی حکومت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اس نے جو کچھ کہا تھا حاصل اس کا شاید یہی تھا کہ

"سعودی حکومت کے آنے سے پہلے ہم حج کے راستے میں رہنے والے بدوؤں کا کام صرف رہزنی، چوری، مردم کشی قتل و غارت کے سوا اور کچھ نہ تھا، سعودی حکومت نے بحمد اللہ ہماری مردہ انسانیت کو زندہ کر دیا، اب ہم آدمی ہیں ہمیں مختلف جائز معاشی پیشوں میں اب مشغول کر دیا گیا ہے، اس حکومت کے ہم بہت ممنون ہیں۔"

کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس اعرابی سے شاید یہ بھی پوچھا کہ صدیوں کی بڑھی ہوئی بری عادتوں کے ازالہ میں آخر سعودی حکومت کامیاب کیسے ہوئی؟ جواب میں شاید اس نے "اثخان فی الارض" کی تدبیر کا حوالہ دیا۔ جہاں جہاں ان لیٹروں کے اڈے تھے۔ بے دردی کے ساتھ وہاں خونریزی کی گئی۔ چور دھرم کی کہانی نہیں سنتے ان کے لیے تو بجائے دھرم کے دھرپ ہی کی ضرورت ہوتی ہے، حکومتوں کا بھاشی طریقہ نہ پہلے کامیاب ہوا ہے، اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

---

[1] ا[illegible] حج کو [illegible] کے ذریعہ صرف ایک دن میں مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکہ آیا جایا جاتا ہو اور پہلے مدینہ چلے جانے سے حج

یہ میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ ترکی شریفی عہد میں حج کرنے والے پیش روؤں سے حرامیوں (عربی رہزنوں) کے جو مہیب قصے ہم نے سنے تھے، ان کا کہیں نام و نشان بھی اس پورے راستہ میں نظر نہ آیا۔ تن تنہا، سر پر چھتری لگائے پیدل سفر حج کرنے والوں پر لاری سے نظر پڑی، وہ بڑے اطمینان سے جا رہے تھے، کسی منزل میں ہمارے ساتھیوں کی کوئی چیز غائب نہ ہوئی، دوسروں سے تو ایسے قصے بھی سننے میں آئے کہ چھوٹا ہوا یا گم شدہ مال ان تک پہونچا دیا گیا، حکومت کے کارندے اس معاملہ میں بڑی ہوشیاری اور ذمہ داری سے کام کر رہے تھے، جس منزل میں بھی اترنے اور کچھ دیر قیام کرنے کا موقعہ ملا، وہاں نشست و برخاست اٹھنے بیٹھنے لیٹنے پوٹنے کا کافی انتظام تھا، اس وادیٔ غیر ذی زرع کے ان خس پوش جھونپڑوں کے اندر یہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ تنوری روٹیوں کی تھاک اپنے سامنے جمائے ہوئے فول^ع کی ترکاری یا گوشت کے ساتھ کھانے والے کھا رہے ہیں، جن میں ادنیٰ درجے کے حمالی (شتربان) اور باربرداری کے کام کرنے والے مزدور بھی تھے "الرزاق ذو القوۃ المتین" کی رزاقیت کی تجلیاں ان اجاڑ سنگستانوں میں قدم قدم پر چمک رہی تھیں اور بصیرت کی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھیں واقعہ یہ ہے کہ ہند کے مرغزاروں میں بھی "رزاقیت" کی یہ شان اتنی نمایاں نہ تھی، جتنی عرب کی ان چٹیل وادیوں میں دیکھی جا رہی تھی، وہی طبقہ جو ہندوستان میں ستو یا بھنے ہوئے چنوں پر ستّو وغیرہ کے سوا کچھ نہیں پاتا عرب میں اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کو روٹیاں بھی بافراط میسر آرہی تھیں، اور فول کی ترکاری میں بلا مبالغہ یہ عرض کر رہا ہوں کہ ایک انچ سے کم گھی اس پر تیرتا ہوا نہیں دکھائی دیتا تھا۔

پانی بھی ہر جگہ ملتا جاتا تھا۔ مگر گوارائی کی کیفیت دور تک عرب کے پانی میں محسوس نہ ہوئی شربہ کے نام سے صراحیاں پیش ہوتی تھیں۔ دام ادا کر کے لوگ پیتے تھے وضو کرتے تھے۔ کہیں کہیں۔

"حب حب"

کے شور سے منزل گونج اٹھتی، یہ تربوز کا جدید عربی نام تھا۔

مراد لاور (ڈرایور) یا سوّاگ (سواق) ایک مصری مسلمان تھا۔ عربی مکالمہ کی وجہ سے مجھے یا استاد کہتا، اور مسافروں سے کچھ کہنا سنا ہوتا، تو مری طرف رجوع کرتا۔

ع سیم کے بیجوں کے مانند ایک قسم کو فول کہتے ہیں عرب میں غالباً مصر سے درساور ہوتے ہیں، بکثرت ان بیجوں کو ترکاری کی شکل میں استعمال کرنے کا رواج وہاں ہے۔ ۱۲

باوجود بے ہوشی کے اپنے ہوش کا ایک قصہ بھی سنا دوں، لاری ایک ہی تھی ۱۲/۱۱ آدمیوں کے سوا بھی کچھ دوسرے لوگ اس میں گھسائے گئے تھے، چند آدمی یمن[1] کے تھے اور ایک صاحب پنجاب کے جگہ میں قدرۃً غیر معمولی تنگی پیدا ہوئی، فقیر نے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنی اپنی نشست پر بیٹھ جائیے۔ میری پروا نہ کیجئے۔ میں اپنی جگہ نکال لوں گا۔ اطراف کی نشست گاہوں پر سب بیٹھ گئے۔ بیچ میں جو خلا باقی تھا۔ اس میں بستر وغیرہ ٹھونس دیے گئے، دیوانے نے عرض کیا کہ بس اسی خلا میں اپنے لیے ملا پیدا کرتا ہوں۔ چند بستروں کی وجہ سے کافی گداز گدے کی کیفیت اس میں پیدا ہوگئی تھی، بندہ اسی پر بیٹھ گیا۔ جس کے لیے لاری میں کوئی مستقل جگہ نہ تھی۔ اب ایک ایسی جگہ پر قابض تھا کہ گویا بڑے موٹے گدے پر بیٹھا ہوا ہے، جی چاہتا تو اسی پر لیٹ بھی جاتا بعضوں نے چاہا کہ مستقل جگہ جس پر وہ، قابض ہو چکے تھے اس سے اس غیر مستقل جگہ کو بدلیں۔ لیکن "سبقک بہا عکاشہ" اور "منیٰ مناخ من سبق"۔ کے اصول پر انکار کر دیا گیا۔

راستہ میں ایک دو جگہ۔ خفیف سی ناگواریوں کے واقعات بھی شاید پیش آئے۔ جو یاد نہیں رہے۔ اور نہ ان کو یاد رکھنا چاہیئے۔ شاید بیر حسانی جو غالباً میدان بدر ہی کے قریب کوئی منزل ہے، وہاں تک تو ریگستان اور کبھی کبھی ریگستان سے گذرتے رہے۔

مگر یہاں سے گذرنے کے بعد اب نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر بعد اچانک گرد و نواح میں تدریجی طور پر تبدیلی محسوس ہوئی پہلے ایسے میدانی علاقے مل رہے تھے جن کی چاروں طرف خشک چٹیل پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں مگر عجیب پہاڑیاں ہیں۔ عقیدت کی آنکھوں کے سوا بھی ان سے معلوم ہوتا تھا کہ نور ابل رہا ہے پہاڑوں کے درمیان رہنے کا عادی زمانہ سے ہوں، خصوصاً دکن میں قیام کے بعد تو ہم بھی ایک قسم کے پہاڑی آدمی بن کر رہ گئے تھے۔ راجپوتانے میں بھی آٹھ دس سال پہاڑوں ہی میں گذرے تھے لیکن وادیٔ غیر ذی زرع کی ان چٹیل پہاڑیوں کا رنگ ہی نرالا تھا، پھر اسی کے ساتھ حدیثوں کے وہ سارے مقامات اور ان کے ارتسامات دماغ میں ابھرتے چلے جاتے تھے جن کا عرب کے اسی کوہستانی علاقہ سے عموماً تعلق ہے محسوس ہوتا کہ شاید اسی پہاڑی پر گورخر کی وہ ٹولیاں حضرت ابو قتادہ انصاری کو نظر آئی ہوں گی، جن کا پیچھا کر کے نیزے سے ایک گورخر کو شکار کیا۔ اور رسول اللہ،

---

[1] یمن کے ان مسلمانوں کی شکل و صورت بہت کچھ ان ہندی مسلمانوں سے ملتی جلتی تھی، جو اس علاقہ میں پارچہ بازی کا کام کرتے ہیں خیال گذرا کہ عربی نژاد ہونے کا دعویٰ ہندی پارچہ بافوں کی طرف سے جو کیا جاتا ہے غالباً بے بنیاد دعویٰ نہیں ہے

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ران چھپالی تھی، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں واقعات تحت الشعور سے نکل نکل کر شعور کی سطح پر مسلسل تیرتے ابھرتے اور ڈوبتے۔

ہاں! تو اچانک رت بدل گئی، بجائے دور کے پہاڑ کچھ زیادہ قریب نظر آنے لگے، اور چٹیل میدانوں کی جگہ اب ایسی وادیاں سامنے آرہی تھیں جن میں بڑے بڑے تناور درختوں کا تو کچھ بھی پتہ نہ تھا۔ لیکن باریک باریک پتیوں والے مغیلانی قسم کے چھوٹے چھوٹے درخت اور ادھر ادھر گھاس بھی نظر آنے لگی، جن میں بھیڑوں، اور مینڈھوں، بکریوں کے گلے چرتے دکھائی دیتے تھے۔ چرانے والی عموماً ان کی عورتیں تھیں، جن کا لباس سیاہ تھا، اور سر سے پاؤں تک کپڑوں میں ہر ایک کا جسم مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا۔ بعض مقامات پر بعض عمر اور ادھیڑ عمر کی عورتیں انڈوں کے ساتھ بھی لاری کے سامنے بیچنے کے لیے کھڑی ہوجاتیں، ان کا لباس بھی مکمل تھا، عرب کی غربت و افلاس کے عام چرچوں کے مقابلہ میں صحرائی اور بیابانی باشندوں کی غذائی اور لباسی نوعیت کے متعلق میرے یہ مشاہدے باعث حیرت بنے ہوئے تھے، اگرچہ بعض آبادیوں اور منزلوں میں جہاں لاری کسی وجہ سے ٹھہر جاتی یہ تماشا بھی دیکھنا پڑتا، کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں لاری کو گھیر کر "یا الحاج بخشیش ہات مافی الکیس" (یعنی حاجی بخشش عطا کرو، تمہاری جیب میں جو کچھ ہے اسے حوالہ کرو) ایک خاص نغمہ کے ساتھ گانے اور لاری کا پیچھا بھی کرتے، لیکن بجائے غربت کے زیادہ تر بچوں کے اس عام طریقہ کار میں مجھے عادت کی تاثیری کیفیت محسوس ہوتی تھی۔

لاری اسی حال میں بڑھی چلی جارہی تھی، پہاڑیاں قریب سے قریب تر ہوتی چلی جاتی تھیں، اب قرب کا نتیجہ تھا یا واقعہ بھی یہی تھا کہ بلندیاں بھی ان پہاڑیوں کی ترقی پذیر تھیں، تا آنکہ اونچے اونچے بلند پہاڑوں کے دروں میں لاری داخل ہوئی، کہیں کہیں چٹانوں پر تیتر جیسے جانور بھی نظر آئے۔ خیال گذرا کہ "قطا" شاید یہی ہے جس کا ذکر کتابوں میں کیا گیا ہے، کہیں کہیں جنگلی کبوتر کے جوڑے بھی دکھائی دئے۔

بیس سال سے زیادہ مدت سفر پر گذر چکی ہے اور مولانا عبد الماجد کی "سفر نامہ حجاز" نامی کتاب بھی سامنے نہیں ہے اس لیے مقامات کے نام اور ان کی ترتیب مکانی بھی صحیح طور پر یاد نہیں ہے۔ اتنا خیال آتا ہے کہ مسیجد نامی منزل جہاں سعودی شرطہ کا مستقر (پولیس اسٹیشن) بھی تھا اس منزل تک پہونچنے کے بعد اپنے آپ کو ہم لوگوں نے سبزہ زاروں کے درمیان پایا۔ پہاڑ بھی کلیۃً چٹیل اور نباتاتی وجود سے خالی نہ تھے، مگر پانی کی کیفیت میں غالباً مسیجد تک کسی قسم کی تبدیلی محسوس نہ ہوئی کہ اچانک، وہاں پہلی دفعہ ایسا پانی پینے کے لیے ملا کہ آج تک اس کی لذت اور خنکی کا خیال مسرت بخش ہے وہاں کچھ کھجور بھی ملے، جو کافی لذیذ تھے۔ حالانکہ بدقسمتی سے تازہ کھجوروں کا یہ موسم

نہ تھا، اس موسم کی آرزو ہی دل میں رہ گئی۔

مگر یہ سب کچھ باہر میں ہو رہا تھا، اندر کس حال میں تھا، الفاظ اس کے اظہار سے قاصر ہیں۔ رابغ جس کا قدیم نام جحفہ تھا اس منزل کی وہ بات دماغ سے نہیں نکلتی، تھوڑی دیر کے لیے یہاں بھی لاری ٹھہرائی گئی تھی، لوگ اتر کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ اس فقیر نے ان جھونپڑوں کے پیچھے اس وقت ایک کافی عمر سفید ریش بزرگ کو اس حال میں پایا کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر وجد کے عالم میں کچھ اس قسم کے احساس کا اظہار فرما رہے ہیں کہ

کہاں میں اور کہاں رابغ کی منزل کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں،

وہ استغراق کے حال میں جھوم رہے تھے دل سے باتیں کر رہے تھے میری آہٹ پا کر سمٹ گئے[ع]، ان کا یہ حال تو دکھائی گیا ورنہ سچ پوچھیے تو قافلہ کے اکثر و بیش تر رفقاء کے باطن کا حال یہی تھا، دنیا کی تمام نعمتوں میں جن دو نعمتوں کو بعض دیدہ وروں نے سب سے بڑی نعمتیں قرار دیا ہے[ل]، آج ان ہی دو نعمتوں میں سے ایک نعمت یعنی "وجود مبارک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بصفت حیات در مدینہ موجود است"

ان کے آغوش میں آ رہی تھی، جنھوں نے نہیں مانا ہے ان جھٹلانے والوں سے تو بحث ہی نہیں، مگر جو مان چکے ہیں وہ بہر حال یہی یقین رکھتے ہیں اور یہی یقین ان میں پیدا کیا گیا ہے کہ ذائقۃ الموت کی منزل سے گذرنے کے باوجود الموت کا اثر صرف اسی قدر ہے کہ اکل و شرب جیسی جسمانی ضرورتوں سے بے نیاز ہو کر الرفیق الاعلیٰ کی زندگی پیغمبر گذار رہے ہیں، اور پیغمبر تو خیر پیغمبر ہی ہیں، الموت کا یہ مطلب کہ احساسات سے مرنے والے محروم، ہو جاتے ہیں یہ ان لوگوں کا خیال ہے جن کو موت کے چکھنے کا تجربہ نہیں ہوا ہے، تجربے کے بغیر بے جانے اپنے اندر ایک ایسا فیصلہ رکھتے ہیں جس کی بنیاد قطعاً کسی علم پر نہیں بلکہ جہل اور صرف جہل پر قائم ہے، قرآن میں شاید اسی قسم کے غلط غیر استحقاقی فیصلہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنے احساسات کو زندہ پاتے ہوئے وہ آرزو کریں گے کہ

[ل] شیخ محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں سید صدر الدین بخاری کا قول نقل کیا ہے "دو نعمت در عالم بالفعل موجود ست کہ فوق جمیع نعمات و لیکن مردم قدر آں نعمت نمی شناسند و بداں پے نمی برند ۔۔۔۔ یکے آں کہ وجود مبارک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بصفت حیات در مدینہ موجود ست" یہ پہلی نعمت ہوئی اور دوسری نعمت یہ ہے کہ "قرآن مجید کہ کلام پروردگار ست وے سبحانہ تعالیٰ بے واسطہ بداں متکلم" ص ۲۱۵ اخبار الاخیار

مولانا ... صاحب کے والد صاحب قبلہ تھے جو اب دوسرے عالم میں ہیں۔

یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ؎ کاش! میں (جیسا کہ سوچا کرتا تھا) خاک
(النبا ۶) ہوتا (یعنی احساسات سے مرنے کے بعد محروم ہو جاتا)

بہرحال جو پیغمبر نہیں ہیں جب موت ان کو بھی تراب یا خاک بنا کر نہیں چھوڑ دیتی تو نبوت و رسالت کے عالی مقامات سے جو سرفراز ہیں، ان کے متعلق جو یہ سوچتے ہیں کہ "خاک کے ڈھیر" کے سوا ان کی قبروں میں بھی کچھ نہیں ہوتا، ان کی سمجھ پر خاک پڑ گئی ہے اس کے سوا اور کیا کہا جائے؟ عام مسلمانوں کے قبور پر ہمیں حکم دیا گیا ہو کہ ان کو سلام کریں، اور ان سے اس قسم کی باتیں کریں کہ "آپ ہم سے پہلے چلے گئے، ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں اللہ آپ کی کمزوریوں سے درگذر فرمائے، وغیرہ وغیرہ" تو کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ جس پیغمبر کو قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ "میری آیتوں کے ماننے والے تمہارے پاس جب آئیں، تو ان کو "سلام علیکم" کہو، اور آگاہ کر دو کہ نادانی کی وجہ سے برائی کا ارتکاب جس نے کیا ہے لیکن پھر اس کے بعد پلٹ گیا، اور سنور گیا، تو حق تعالیٰ غفور رحیم ہیں"۔ قرآن کے اس نص قطعی کی یافت کے بعد کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم سلام کی اس دعا، کو حاصل کرنے کے لیے وہاں حاضر نہ ہوں جہاں حاضر ہونے والوں کو السلام علیکم کہنے کے لیے پیغمبر اپنے خدا کی طرف سے مامور ہوا، کچھ بھی ہو، نہ ماننے والے جو چاہیں کہیں، جو کچھ جی میں آئے، خیالات پکائیں، مگر ہم تو یہی جانتے ہیں کہ عہد نبوت ہی میں وفات سے پہلے قرآن میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ پیغمبر کی موت، کو عام لوگوں کی موت پر قیاس نہ کرنا چاہیے حکم دے دیا گیا تھا کہ ان کے ازواج سے وفات کے بعد نکاح کا ارادہ کوئی نہ کرے یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ پیغمبر کے متروکہ میں وراثت جاری نہ ہو گی، وفات کے بعد بھی دیکھا جاتا تھا کہ مسجد نبوی کے پڑوس والے دیواریں کھونٹی

؎ سورۃ النبا کے آخر میں فرمایا ہے کہ "انا انذرناکم عذاباً قریباً یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ" (ہم تمہیں نزدیک والے عذاب سے ڈرا رہے ہیں جس دن دیکھے گا آدمی ان چیزوں کو جنہیں اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے روانہ کیا تھا) الغرض بجائے عذاب بعید کے عذاب قریب کی جو دھمکی دی گئی ہے اور اس کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اپنے کیے ہوئے اعمال کا مشاہدہ کرایا جائے گا۔ میرے خیال میں یہ عذاب قریب عذاب قبر ہے، الکافر (نہ ماننے والا) اس وقت کہے گا کہ کاش میں خاک ہوتا (یعنی احساسات اگر ختم ہو جاتے تو جن نظاروں سے وہ دوچار ہو رہا ہے انہیں نہ دیکھتا) عذاب قبر کے متعلق یہ نص صریح ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اور اسی قسم کی قرآنی آیتوں کے ہوتے بعض لوگوں نے یہ خیال کیسے قائم کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والا مٹی ہو جاتا ہے۔

والقصۃ بطولہا ۱۲

ٹوکتے تو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دو، مسجد نبوی میں زور سے گفتگو کرنے والوں کو ٹوکا جاتا، اور یہ کہتے ہوئے ٹوکا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایسا کرتے ہو۔[1]

خیر میں مدرسہ کے کن جھگڑوں میں پھنس گیا جن میں پھنس جانے کے بعد بسا اوقات بدیہی سے بدیہی مسائل بھی نظری بن جاتے ہیں۔

قافلہ بیرِ درویش کے بعد قریب قریب اپنے اوسان کھو چکا تھا، فاصلہ ختم ہو رہا تھا، زندگی کی آرزوا سب سے بڑی آرزو ایمان والوں کی پوری ہو رہی تھی، یا قریب تھا کہ پوری ہو، اپنے آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک کھوتا چلا جا رہا ہے، اچانک اسی حال میں ــ "مدینۃ النبی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سواق (ڈرائیور) کی زبان سے نکلی، کلیجے نکل پڑے، جانیں تاب کر معلوم ہو رہا تھا کہ چھوڑ دیں گی، بیس سال پہلے کان میں یہ آواز آئی تھی، لیکن اس کی گونج آج بھی تر و تازہ ہے۔

ہم میں ہر ایک دوسرے کو شاید بھول گیا۔ "مدینۃ النبی" (نبی کا شہر) اس کے سوا نہ اندر ہی میں کچھ باقی تھا اور نہ باہر میں، لاری تیزی کے ساتھ گذرتی جا رہی تھی یہ باہر میں ہو رہا تھا اور اندر میں جذبات کا طوفان تھا، جو ابل رہا تھا۔ اوروں کا حال معلوم نہیں لیکن اپنے اس احساس کو کیسے چھپاؤں، ایسا معلوم

---

[1] انہ حی فی قبرہ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ پاک میں زندہ ہیں) وانہ لا یبلی جسدہ (اور آپ کا جسد مبارک تغیر سے محفوظ ہے) یہ مسلمانوں کے مسلمہ عقائد ہیں جو قرآن و حدیث اور عمل صحابہ پر مبنی ہیں، تفصیل کے لیے بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ علاوہ روایتوں کے مسلسل مشاہدات سے بھی اس کی تصدیق ہمیشہ ہوتی رہی ہے سعید بن المسیب ہی کا واقعہ کہ ایام حرہ میں جب چند دنوں کے لیے مسجد نبوی میں کوئی نماز پڑھنے والا باقی نہ رہا تھا، صرف سعید مسجد کے کسی گوشے میں چھپ گئے تھے۔ دارمی وغیرہ جیسی معتبر کتابوں میں سعید کا یہ بیان منقول ہو کہ تین دن تک وہ پانچوں وقتوں کی نماز اس ہمہمہ (گونج) کی آواز کے سہارے سے ادا کرتے رہے جو روضہ پاک سے آتی تھی، دوسری کتابوں مثلاً ابو نعیم وغیرہ کی روایت ہے کہ روضہ پاک سے اذان کی آواز ان کے کانوں میں آتی تھی، ابن سعد نے بھی طبقات میں اذان والی روایت نقل کی ہے، اسی سلسلے میں نور الدین زنگی غازی کا مشہور تاریخی واقعہ بھی ہے کہ یورپ کے کسی خبیث النفس حکمران نے اپنے دو خاندانوں کو مدینہ منورہ اس ناپاک غرض کی تکمیل کے لیے بھیجا تھا کہ جسد مبارک کو کسی طرح نکال کر لے آئیں، ایک کمرے کے اندر سرنگ لگائے ہوئے وہ کام کر رہے تھے کہ اسی عرصہ میں دمشق میں نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کو رویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایما ہوا، وہ مدینہ پہنچا اور مجرموں کو گرفتار کیا، انھوں نے اقرار کیا، مختلف کتابوں میں یہ واقعہ آپ کو ملے گا اور اس سلسلہ میں تحریر ناکافی کیا گیا ہے ۱۲

ہوتا تھا کہ وہ بلال آرہے ہیں یہ ابوذر جا رہے ہیں یہ فاروق اعظم ہیں ادھر حضرت صدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ میں جانتا ہوں کہ یہ دماغی اختلال ہی کا نتیجہ ہوگا مگر مبارک تھا وہ دماغی اختلال جس میں مبتلا ہونے والے کے کان میں گذرتی ہوئی لاری میں آواز آئی "السلام علیکم مولوی صاحب"! حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے میزبان ایسا معلوم ہوا کہ کہتے ہوئے گذر گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنون کی ایسی باتوں کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ باب العنبریہ کب آیا، لاری سے لوگ کس وقت اترے، کیسے اترے، گھوڑے کی گاڑی، عرابہ میں کب سوار ہوئے۔ ہوئے تو یہ سارے واقعات ہم چل بھی رہے تھے پھر بھی رہے تھے۔ لیکن جسم چلتا تھا ٹانگیں پھر رہی تھیں مگر ان کا چلانے والا حاسہ غائب تھا۔

شائد سیدنا حضرت مولانا حسین احمد المدنی مدظلہ العالی کے برادر محترم حضرت مولانا سید احمد رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدینہ "باب عنبریہ" (جو مدینہ منورہ کا مرحوم حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا) وہاں تک تشریف لائے تھے، ان کو اطلاع دے دی گئی تھی، اور ایک قدیم مدنی دوست لطفی صاحب مرحوم بھی اپنے خوبصورت شامی چہرے کے ساتھ دیوانوں کو لینے کے لیے اس مقام تک آئے تھے۔

"دیے برندش" کی شکل میں النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے "مدینہ" میں پہونچا دیے گئے، لکھا پڑھا سب غائب ہو چکا تھا، جس نے جو کچھ کہا، وہی کرتے جاتے تھے غسل کا حکم دیا گیا۔ کپڑے بدلوائے گئے۔ اور اب ایک سیاہ کار سیاہ بخت، سیاہ عمل، مطلق تاریکی صرف سیاہی کو گھسیٹے ہوئے اس دربار کی طرف لوگ لیے جا رہے تھے۔

جس دربار تک رسائی کا خیال بھی اس سراسر اثم و گندگی کے لیے ناقابل برداشت تھا آج وہی گھسیٹا جا رہا تھا، اور لایا جا رہا تھا، بیعت کے بعد عہد کا توڑنے والا مجرم اپنے آقا کے آستانے کی طرف ڈھکیلا جا رہا تھا، بس اتنا ہوش تھا کہ ہوش باقی نہیں رہا ہو معلم یا مزور کے نام سے کوئی صاحب تھے۔ ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ کچھ کہتے جاتے تھے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش سے بند آنکھوں نے اس کا موقع باقی نہ رکھا تھا کہ کہاں ہوں آگے کیا ہے کی خبر ہو۔ کان میں معلم کے فقرے اور وہ بھی نہیں معلوم پورے آتے بھی تھے یا نہیں مگر زبان ان ہی فقروں کو دہرا رہی تھی، معلم کہتے تھے کہ "سلام پڑھو" کن کو سلام کروں، آنکھوں میں اسکی قوت بھی باقی رہی ہے جو کسی طرف اٹھے، چیخ تھی پکار تھا گریہ تھا بکا تھا۔ بے ہوشی تھی بدحواسی تھی کیا عہد کیا تھا عہد کرنے والے نے مگر کیا کیا۔

چہ گونہ سر زخجالت برادرم . بر دوست　　که خدمتے بسزا بر نیامد از دستم

حجاب ، شرم ، ندامت ، " اے اللہ کے رسول اے عالمین کی رحمت ، ڈھانک لے اس کی سیاہیوں کو جس میں سیاہی اور تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

ہوں سیاہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں　　کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

نماز کا وقت بھی شاید قریب تھا ۔ سب جہاں کھڑے ہوئے وہیں ہوش باختہ بھی کھڑا تھا ۔ یہ کیا ہوا میں کہاں لایا گیا ، کلیجہ پھٹ جائے گا ، روح نکل جائے گی ، ہم کس حال میں آئے ۔ کیا ساتھ لائے ۔ صرف پاپ ، صرف گندگی ، صرف آلودگی ! ——— سب باہر ہوئے ۔ ان کے ساتھ باہر ہوئے ۔ آتے تھے جاتے تھے ۔ لیکن چوبیس گھنٹوں تک کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں آرہے ہیں ۔ کہاں جا رہے ہیں ۔ نمازیں بھی ہوتی تھیں ، کھانا بھی کھایا جاتا تھا ۔ شاید ملنے والوں سے کچھ باتیں بھی ہوتی تھیں ، لیکن چوبیس گھنٹوں تک " کرنے والے کو خود اپنے ان کاموں کا صحیح احساس نہ تھا ۔ سب کرتے تھے وہ بھی کرتا تھا ۔

مگر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا ، سکینت کا نزول قلب پر شروع ہوا ، خود تو کیا پیدا ہوتی ، مگر ہمت پیدا کرائی گئی ، اور اب آنکھ کھلی ، ہم کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی اس مسجد کو ڈھونڈھ رہے تھے ، جس کی چھوٹی کھجور کے پتوں اور شاخوں سے کی گئی تھی ، جہان کے رسول غریبوں کے ملجا ، یتیموں کے ماویٰ کا دولت خانہ وہ کہاں ہے جس کے چھپر سے کھڑے ہونے والا سر چھوا جاتا تھا ، جس کی دیوار کھجور کی چھڑیوں پر مٹی پیٹ کر بنائی گئی تھی ، ابو ایوب انصاری کا وہ مکان کہاں ہے جو ہجرت کے بعد پہلی فرودگاہ اس آبادی میں تھی ۔ ڈھونڈھتا تھا اس کی گلیوں میں حسن کو حسین کو عباس کو سید الشہداء حمزہ کو ، امہات المومنین صدیقہ عائشہ حفصہ میمونہ صفیہ اپنی ماؤں کے محل سراؤں کو اور ام حرام بنت ملحان کو ابو ہریرہ اور ابن عمر ، ابن مسعود کو ابو سعید خدری کو انس بن مالک کو ، اور کیا کیا بتاؤں کہ کن کن کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے گھروں کو ، مگر نہ وہ مسجد ہی تھی اور نہ وہ مکانات ، نہ ان کے رہنے والے ۔ معلوم ہوا کہ انصاری صحابیوں کا کوئی خاندان اب مدینہ میں نہیں پایا جاتا ، نہ انصاریوں ہی کا کوئی خاندان تھا اور نہ مہاجرین کا ۔

زمانہ تیرہ سو سال آگے نکل چکا تھا ، عبد المجید خلیفہ ترک کی بنائی ہوئی ایک شاندار مسجد کا نام اب مسجد نبوی ہے ۔ دیکھا کہ قدم قدم پر طلائی حروف میں بہترین کتبے مسجد کی دیوار پر ثبت ہیں ۔ سنا کہ اب تو کچھ بھی نہیں ہے ۔ شریف حجاز کی بغاوت کے زمانہ میں جواہرات کا جو ذخیرہ تھا اسے ترک ساتھ لیگئے

وہی چیزیں رہ گئی ہیں ۔ جنھیں نہیں لے جا سکتے تھے ۔ جن میں ان ہی کے عہد کا قائم کیا ہوا ایک فرسودہ ڈائنامو (برقی چرخ) بھی تھا، جس سے تھوڑی بہت روشنی مسجد نبوی کے لیے مہیا ہوتی تھی کسی صاحب دل نے یہ بھی کہا کہ ترکوں کی ان اولو العزمیوں نے جو مدینہ قدیم کو مدینہ جدید بنانے کے لیے کر رہے تھے ان غریبوں کو یہاں سے نکلوا دیا۔ انھوں نے مسجد نبوی کے اطراف کے مکانوں کو لے کر ارادہ کیا تھا کہ ایک اپ ٹو ڈیٹ گارڈن (عصری باغ) اس کے ارد گرد بنا دیا جائے ۔ حجاز ریلوے کے کھل جانے کے بعد شام سے مدینہ ایسی چیزیں بھی وسا در ہونے لگیں، جو یہاں سے نکلنے کے تیرہ سو سال بعد یہاں واپس ہوئی تھیں،

جدید نوعیت کا ایک رسٹوران دار المسرت نامی جس میں وہ سب کچھ ملنے لگا تھا، جو شام کے انگوروں سے تیار ہوتا تھا، باب العنبریہ کے قریب حجاز ریلوے اسٹیشن کے سامنے "مدینہ یونی ورسٹی" کی داغ بیل بھی پڑ چکی تھی، دیواریں یونی ورسٹی کی عمارت کی کچھ اوپر بھی آ چکی تھیں ۔ کہ مدینہ منورہ کے تین رجفوں (زلزلوں) میں سے ایک رجفہ آیا۔ جنگ عظیم جرمنی کے ملک سے شروع ہوئی ۔ اور اثر اس کا حجاز کے اس شہر پر پڑا۔ جسے ترک ایک یورپین شہر کا قالب عطا کرنا چاہتے تھے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کی آبادی اس رجفہ کے بعد اس زمانہ میں پندرہ بیس ہزار تک گر کر پہونچ چکی تھی، اور یہ قصہ تو بعد کا ہے ورنہ حرم فروش شیخ حرم کے زمانہ میں تو گنتی کے چند نفوس کے سوا مدینہ منورہ میں کوئی باقی نہ رہا تھا۔ بڑا ہی زہرہ گداز عبرت آموز منظر تھا کہ نو بنو ہی بننے والی عمارت مدینہ والوں کا "خش" بنا ہوا تھا۔ اور چھ سو میل لمبی لائن پر چلنے والی ریل گاڑی کے ڈبے اسی باب العنبریہ کے آس پاس مرے ہوئے ہاتھیوں کی لاشوں کی طرح پڑے ہوئے تھے ۔ الحمد للہ کہ "سکینت" کے یہ ایام ایک مہینہ سے زیادہ میسر آ گئے ۔

کام دل حاصل و ایام بکام است امروز چشم ، بر روئے نگار ، لب بجام است امروز

اوروں کا حال معلوم نہیں مگر جو دیوانہ تھا وہ اسی نئے مدینہ میں پرانے مدینہ کو تلاش کرتا رہتا تھا یہ نئے مدینہ کے آباد کاروں سے بھی ملتا جلتا تھا وہ بڑے اچھے لوگ تھے ۔ عموماً دعوتیں کرتے تھے، اگر اپنا دل اسی نئی آبادی میں پرانے مدینہ کے پرانے باشندوں کو ڈھونڈھتا تھا ۔ اتفاقاً مدینہ کے ایک مورخ بھی مہرباں ہو گئے، حکمت عارف بے کے کتب خانے کے مہتمم صاحب جدید مدینہ سے زیادہ ان کی دلچسپیوں کا محور بھی قدیم مدینہ ہی تھا، ان کے طفیل

لے عوام کے قضا حاجت کی جگہ ۱۲

میں سقیفہ بنی ساعدہ، بیر بضاعہ، العوالی، بنی نضیر و بنی قریظہ کی گڑھیوں کے آثار اور اسی قسم کے بیسیوں مقامات کا پتہ چلا۔

حضرت مولانا سید احمد مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسۂ شرعیہ اور حضرت کا دولت خانہ سب سے بڑا ماویٰ اور ملجا تھا۔ ہر ضرورت وہیں سے پوری ہوتی تھی، حضرت والا نے مدینہ منورہ کے غالباً شرقی سمت میں ایک میدانی زمین کو قابل کاشت بنا کر زراعت کا طریقہ صدیوں کے بعد اس شہر میں مروج کیا تھا۔ مدینہ والے حرث سے قطعاً نا آشنا ہو چکے تھے۔ ان کا سرمایۂ معیشت قیصر کے شہر کی وہ دکانیں تھیں جو البنی کے شہر پر کئی سو سال پہلے وقف ہو چکی تھیں[1] یا ارض فرعون مصر کا پانچواں حصہ جو حرمین پر وقف تھا۔ شاید بیل اور ہل پر ان کی نظر کبھی نہیں پڑی تھی، کھجور کے باغوں کے لیے کدالوں اور پھاوڑوں کی کھدائی کافی تھی مگر مولانا نے بیل بھی نجد سے منگوائے، اناطولیا کوچک کے ایک ترک کو ملازم رکھا، جو زراعت کا ماہر تھا، ایک قدیم کنواں جو اس علاقہ میں تھا اس کو صاف کرایا گیا۔ اونٹوں سے چرس کشی کا کام لیا جاتا تھا۔ اپنا پشتینی پیشہ زراعت ہی تھا اور اب بھی ہے، اس مناسبت سے عصر کے بعد عموماً حضرت والا کی اس جدید کاشت کی طرف چلا جانا اور مدینہ کے ان میدانوں میں ان ہی چیزوں کو ڈھونڈھتا پھر جس کے ڈھونڈھنے کے سوا مومن کا کوئی دوسرا لذیذ شغلہ نہیں ہو سکتا، اسی عرصے میں قبا کی مسجد کی حاضری کی سعادت بھی کبھی تنہا کبھی رفقا کے ساتھ میسر آئی، تنہائی کی سیر کا وہ لطف، اس لطف کے مزوں سے اب بھی دل لذت گیر رہتا ہے، راستہ کھجوروں کے ہرے بھرے باغوں سے آراستہ تھا۔ باغوں میں کھجوروں کے سوا انار انگور کے درخت اور بیلیں بھی نظر آئیں، طرح طرح کے پرندے درختوں پر چہچہاتے، کبھی کبھی پانی کے گڑھے کے کنارے بگلے بھی اڑتے ہوئے دکھائی دیے، کہیں فاختہ پر بھی نظر پڑتی، بیر ارلیس پر چرس چلتا رہتا، شفاف پانی نالیوں میں بہتا رہتا، اریس کے من پر بیٹھ کر پاؤں لٹکاتا۔ بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرتا، ان ہی دنوں کو جو اس دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔

ایک ہفتہ کے بعد ہی دل کی کیفیت یہ ہو گئی، کہ مدینہ کے سوا کچھ یاد نہ رہا۔ ہندوستان، ہندوستان کے اعزا اقربا، جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری، ہر چیز دماغ سے نکل گئی، یہ قطعی فیصلہ دل کا ہوا، زبان کا ہوا، ذائقہ کا ہوا، کہ جو پانی یہاں پینے کے لیے مل رہا ہے، نہ پہلے کبھی کسی ملک میں ملا تھا اور نہ آئندہ ملے گا، نہ اتنا شیریں سواد ما حول مدینہ منیا...

---

[1] تاریخوں میں لکھا ہے کہ سلطان محمد فاتح جس نے کل ۲۳ سال کی عمر میں قسطنطنیہ قیصر کے شہر کو فتح کیا تھا، فتح کے ساتھ ہی شہر میں جس وقت داخل ہوا تو پہلا فقرہ اس کی زبان پر یہی جاری ہوا کہ قیصر کے شہر کو نبی کے شہر پر میں نے وقف کر دیا۔ ۱۲

یہ زیبائیاں کہیں اور میسر آئیں گی، نیند جیسی وہاں آتی ہے کہیں نہیں آتی، سرور ونشاط سے دل جو لبریز ہوا۔ کبھی نہیں ہوا۔ دوسروں سے پوچھا تھا تو وہ بھی یہی کہتے تھے۔ جنت میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے باہر ہونے کی حماقت میں کون مبتلا ہو گا دل اس سوال کو اٹھاتا۔ اور اس ارادہ میں پختگی ہوتی چلی گئی، کہ جب رفقاء جانے لگیں گے، تو رفاقت سے وقت پر انکار کر دوں گا، پہلے پندرہ روز تک، اسی خیال کا تسلط رہا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ بہت سی ناگفتنی کو گفتنی بنانے کے ارادے کے باوجود اس کو ناگفتہ ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔

به مستوراں مگو اسرار مستی حدیث جان مپرس از نقش دیوار

ہاں! اس عرصے میں "سعودی عرب" کے بادشاہ، جو اس وقت اس ملک کے لیے نئے بادشاہ تھے، "بارادہ حج" ریاض سے مدینہ منورہ بھی پہونچے، مولانا عبدالماجد جو باوجود سب کچھ ہونے کے کم از کم اس وقت تک اپنے ساتھ اخبار کے اڈیٹر ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا خیال ہوا کہ عرب کے اس جدید حکمراں سے ملاقات کرنی چاہئے، امیر مدینہ سے مل کر بات طے ہوئی، ترجمانی کے لیے اپنے ساتھ اس فقیر کو بھی ہمرکابی کا حکم مولانا کی طرف سے دیا گیا، حکم کی تعمیل کی گئی،

کرسیوں اور صوفوں کی طویل قطار تھی، جس پر نجدی عقال باندھے حکومت کے حکام بیٹھے تھے، ان میں بادشاہ کون ہے اس کی تمیز سخت دشوار تھی، وہی سرخ دھاگوں والا رومال اور سیاہ بالوں والی عقال سب کے سروں پر تھا، مولانا عبدالماجد صاحب حسب وعدہ پہلے امیر مدینہ سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ بادشاہ سے وہی تعارف کرا دیں۔ مگر معلوم ہوا کہ امیر صاحب پر بے بسی طاری ہے، گھبرائے گھبرائے سے ہیں، تب فقیر نے ذرا جسارت سے کام لیا، قطار پر نظر کی ایک کم عمر آدمی تصویروں سے جس کی صورت کچھ پہچانی سی تھی، اور اس کے صوفے پر دائیں بائیں دو تکئے پڑے ہوئے تھے، یہی شاید سب سے بڑی امتیازی علامت بادشاہ کی تھی، الغرض اسی کی طرف بڑھ کر فقیر نے سلام عرض کیا، مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، بادشاہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے سلام کا جواب دیتے ہوئے مصافحہ کیا۔ پوچھا کہ تم کہاں کے ہو۔ بتایا گیا۔ اور ساتھ ہی مولانا عبدالماجد کا ان الفاظ کے ساتھ تعارف کرا دیا گیا کہ یہ ایک اخبار کے مدیر ہیں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ ضرور میں ان سے باتیں کروں گا، مگر اس کے لیے اس مجلس کا موقعہ مناسب نہ ہو گا۔ آپ لوگ کل دار الامارہ میں ۹ بجے صبح کو ملیے، بس اسی پر گفتگو ختم ہو گئی، کل کا وعدہ لے کر واپس ہوئے، دن تو خیر گذر گیا۔ مگر جوں ہی خوابگاہ میں لیٹا، خیالات کا ہجوم شروع ہوا، پوچھنے والا تو نظر نہیں آتا تھا، لیکن پوچھا جا رہا تھا کہ تم کیا یہاں سلاطین اور حکام سے ملنے آئے تھے۔

کیا بادشاہوں کی دنیا میں کمی ہے، جہاں تم رہتے ہو، وہاں کے بادشاہ سے تو تم کبھی ملے نہیں[1] لیکن یہاں آکر تم نے یہ کیا حرکت کی، پھر اب کیا کروں، وعدہ ہو چکا ہے، مولانا عبد الماجد چھوڑینگے نہیں رات آنکھوں آنکھ میں کٹ گئی کروٹوں پر کروٹیں بدلتا رہا، صبح ہوئی نماز کے بعد مولانا کی قیام گاہ پر حاضر ہوا دیکھا کہ بخار میں مبتلا ہیں، آج کا بخار میرے لیے موجب شکر بن گیا، اسی وقت ایک مختصر سا رقعہ امیر صاحب مدینہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجدیا گیا کہ اخبار کے جن مدیر صاحب کے لیے وقت ملاقات کا جلالۃ الملک نے مقرر فرمایا تھا، اتفاقاً ان کو بخار آگیا ہے اس لیے حاضری سے معذور ہیں "جواب آیا کہ اچھا اس وقت تو مکہ معظمہ جا رہے ہیں۔ حج کے بعد وہیں ملاقات ہو گی، قصہ ختم ہو گیا اور بحمد اللہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا

تیس دن سے زائد مدت میں بیسیوں واقعات پیش آئے جن کا ذکر موجب تطویل اور غیر ضروری بھی ہے زیادہ اثر جدید مدینہ کے جدید باشندوں کی مہمان نوازیوں کا تھا، عموماً مسلّم دنبوں کے پیٹ میں پلاؤ پکایا جاتا تھا جس میں علاوہ دوسری چیزوں کے بھنے ہوئے بادام اور تخم خیار بھی ہوتے تھے اس کھانے کا نام مشار کوزی تھا، بعض شامی کھانے بہت لذیذ تھے، گوشت تو سچ پوچھئے تو صرف دنبوں ہی کا ہوتا ہے، بافراط مختلف شکلوں میں پیش ہوتا تھا، دودھ کی بھی کمی کبھی محسوس نہ ہوئی، تقریباً ہر اچھے گھرانے میں بکریاں پلی ہوئی تھیں، دیکھنے میں دبلی پتلی، لیکن سیر ڈیڑھ سیر سے معلوم ہوا کہ کم دودھ نہیں دیتی ہیں، برسیم ایک قسم کا ہرا چارہ ہے، جس کی کاشت کھجور کے باغوں میں بکثرت مروج ہے، علی الصباح نخلوی[2] لوگ گدھوں پر اسی برسیم کو کاٹ کر شہر میں لاتے اور بطور راتب کے گھروں میں ایک دو بوجھے اس کے ڈالتے جاتے، پانی عموماً جلشن عورتوں کو دیکھا کہ قیام گاہوں پر پہونچاتی ہیں۔ کپڑوں کے دھونے کا نظم اس شہر میں دلچسپ تھا، بیویوں پر کھانے پکانے کا بار کم ڈالا جاتا ہے، روٹیاں بازار میں پکوائی جاتی ہیں، صرف سالن وہ بھی گھر کے چولھوں پر پکانیا جاتا ہے مکان کے کسی گوشہ میں کھد کھد

---

[1] یعنی حضور نظام سے ملازمت کی پچیس سالہ مدت میں خصوصی ملاقات کا موقعہ کبھی نہیں پیدا کیا گیا، البتہ سالگرہ وغیرہ بعض خاص جشن کے دنوں میں دوسرے نوکروں کے ساتھ پیش کشی نذر کے لیے حاضری ہو جاتی تھی۔ ۱۲

[2] کھجوروں کی کاشت اور ان کے باغوں کے نگرانی کرنے والوں کو نخلی کہتے ہیں، امامیہ فرقہ کے لوگوں کو مدینہ کی شہری آبادی میں جگہ نہیں ملتی تھی نخلوں میں ٹھہرنے لگے ان ہی کے اثر سے عموماً یہ شیعہ ہو گئے ہیں اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں۔ ۱۲

ہوتا رہتا ہے، اسی لیے مدینہ کے مکانات بڑے صاف و پاک ستھرے معلوم ہوتے ہیں عورتوں کا وقت بہت بچتا ہے، اسی میں اپنے شوہروں اور بچوں کے کپڑے وہ دھو لیتی ہیں اور خوب اچھا دھوتی ہیں، ہر گھر میں معلوم ہوا کہ استری کا سامان بھی لزومی طور پہ رہتا ہے یہ بیوی پر الزام ہوتا ہے اگر شوہر کے کپڑے ناصاف یا داغ دھبے والے ہوں، فرض ہے کہ باہر نکلنے سے پہلے اپنے خاوند کے لباس جوتے وغیرہ کو بیوی دیکھ لے، پالش کی ضرورت ہو۔ تو پالش کر دے گھوہ یا شاہی (چائے) کا دور تو ہر وقت چلتا رہتا ہے، لیکن اصلی کھانا اس زمانے میں دیکھا کہ عموماً عصر و مغرب کے بعد لوگ کھاتے ہیں۔ درمیان میں ہلکے پھلکے ناشتوں سے کام نکال لیا جاتا ہے۔

دعوت کرنے والے بزرگوں کے متعلق عموماً دیکھا کہ باہر سے آنے والے زائرین دعوت کے بعد ان کے ساتھ مخفی طور پر کچھ حسن سلوک بھی کرتے ہیں۔ اچھی بات معلوم ہوئی، مگر ایک دفعہ سخت ذلت بھی اٹھانی پڑی، مسجد نبوی کے باب مجیدی پر ایک مکتب خانہ تھا، ایک صاحب معلم الصبیانی کا کام انجام دیتے تھے، ان سے تعلق پیدا ہوا، دعوت پر مصر ہوئے، قبول کی گئی، فارغ ہونے کے بعد مصافحہ کے وقت حسب دستور کچھ پیش کیا گیا۔ اللہ اللہ اس وقت ہمارے ان مدنی بزرگ کے چہرے کی سرخی غصہ کی سرخی، فرماتے تھے تم نے کیا مدینہ کے ہر باشندے کو گداگر سمجھ رکھا ہے، کیا دعوت اسی لیے کی جاتی ہے، شرم سے گردن جھک گئی، زمین میں گڑ گیا، معذرت خواہ ہوا جرم معاف کیا گیا، بڑی مہربانی فرماتے رہے، چلتے ہوئے آبار سبعہ[1] کا پانی ایک ٹن میں اپنے مصارف سے منگوا کر حوالہ کیا۔ یہی پانی پہلی سوغات تھی، جو مدینہ منورہ سے اسی لیے ساتھ رکھی گئی کہ اپنے گاؤں کے اس کنویں میں ملا دیا جائے گا جس کا پانی عمر بھر پیتا رہا ہوں۔ اسی کے ساتھ کھانے کا خیال بھی آیا، یعنی کھانے میں بھی مسلسل ایسی چیز ملتی رہے، جس میں مدینہ

---

[1] یعنی مدینہ کے وہ سات کنویں جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ لعاب دہن عالمین کے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پانی میں شریک ہے، مسجد نبوی کے ان معلم صاحب کا نام محمد بن سالمین تھا، مکتب خانے میں بچوں کی سزا کا اصول دلچسپ تھا، قصوروار بچے کی طرف استاد کسی اصطلاحی اشارے سے نظر کرتا، سارے بچے مجرم کو چت لٹا دیتے اور دونوں ٹانگیں اس کی اوپر کر دی جاتیں تلوے پر استاد ایک دو چھڑی لگا دیتا یہ بات پسند آئی۔ تلوے کی کھال موٹی ہوتی ہے تکلیف کا احساس کم ہوتا ہے۔ ۱۲

منورہ کا کوئی جز شریک ہو۔ خیال گذرا کہ ترکاریوں اور بعض غلوں کے بیج حاصل کر لیے جائیں، بآسانی مل گئے، ہندوستان تک پہونچے، ارادہ بھی تھا کہ ان ہی بیجوں سے کاشت کر کے ترکاریاں اگائی جائیں گی، لیکن جن لوگوں کے سپرد کیا گیا، انھوں نے زیادہ توجہ سے کام نہ لیا۔ تاہم کدو اور شلجم کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

ذیقعدہ کا مہینہ اب قریب ختم ہونے کو آیا، حج کا مہینہ ذوالحجہ نزدیک آنے لگا، حج کی تیاریوں میں لوگ مصروف ہوئے۔ اسی عرصے میں ایک دن دخت العرفات (مدظلہا) مولانا عبد الماجد کی اہلیہ محترمہ نے خاص آدمی بھیج کر اپنی قیام گاہ پر بلوایا۔ حاضر ہوا، انھوں نے اپنا ایک خواب سنایا۔ عجیب خواب ہے وہ اودھ کی رہنے والی ہیں، فقیر کی مرحومہ والدہ غفر اللہ لہا جو کئی سال پہلے وفات پا چکی تھیں بہار کے ایک دیہات کی رہنے والی تھیں، انھوں نے ساری زندگی ریل گاڑی نہیں دیکھی تھی، ان کا سفر اپنے میکہ (موضع استھانواں) سے گیلانی تک محدود تھا، مگر ماجد میاں کے گھر نے سنایا، میں نے رات خواب میں دیکھا کہ گھر میں میرے کوئی تقریب ہے میں کھانا لوگوں میں تقسیم کر رہی ہوں، اتنے میں دیکھتی ہوں کہ ایک بوڑھی صاحبہ جنکی شکل و صورت ایسی تھی وہ فرما رہی ہیں کہ اس کھانے میں کیا ہمارا حصہ نہیں ہے؟ ماجد میاں کے گھر نے کہا کہ آپ ہیں کون؟ بولیں کہ تمہارے ساتھ مناظر احسن جو آیا ہے میں اس کی ماں ہوں، اپنے بچے کے ساتھ یہاں چلی آئی ہوں "

یہ عجیب خواب تھا۔ آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، ماں کی وہ گود یاد آ گئی جس میں اتارا گیا تھا کھیلا تھا کھلایا گیا تھا، مولانا ماجد کے گھر نے شکل و صورت حلیہ جو بیان کیا تھا، وہ مرحومہ والدہ پر منطبق بھی تھا، یہی تعبیر سمجھ میں آئی کہ اپنی طرف سے حج کرانے کی آرزو انھوں نے ظاہر کی ہے وہ بڑی نیک خاتون تھیں، غربا پروری ان کی فطرت تھی، اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں۔ میری تو بہر حال وہ ماں ہی ہیں بہت کچھ ہیں۔ اٹھا، مولانا سید احمد صاحب مرحوم سے واقعہ کا ذکر کیا۔ حج بدل کی کوئی صورت یہاں ہو سکتی ہے مولانا نے ایک صاحب کو تیار کیا۔ مدینہ منورہ سے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ انھوں نے بہ نیت حج بدل فرما لیا۔

اب وقت بالکل سر پر آ گیا۔ ارادہ پہلے سے تھا کہ پہلی ذوالحجہ کو ہمارا قافلہ مدینہ منورہ سے نکل پڑے گا، مگر لاری والوں کی طرف سے کچھ ایسے معاملات پیش ہونے لگے کہ دل دھڑکنے لگا، آج

نہیں کل، کل نہیں پرسوں، بات ٹلنے لگی، ہاتھ پاؤں پھولنے لگے، کیا ہوگا۔ کیا ہم کم نصیبوں کے مقدر میں حج نہیں ہے سب سے زیادہ متاثر فقیر تھا کہ اسی کے اشارے سے لوگ مدینہ چلے آئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لاری والوں کے ساتھ کیا کیا جائے۔ حکومت کی زنجیر بھی کھٹکھٹائی گئی، مگر وہاں سے بھی چنداں حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ پریشانی کا عجب عالم تھا۔ اسی عرصے میں ایک اور بات ایسی پیش آئی، جو بھلائی نہیں جاتی۔ ہمارے ساتھ جہاز میں تعلقہ داران لکھنؤ میں سے ایک صاحب محمد علی نامی بھی تھے عرف عام میں ان کو لوگ "محمد علی چمرو" کہتے تھے، خدا جانے اب زندہ بھی ہیں یا نہیں خود امامیہ مذہب رکھتے تھے۔ مگر بیوی ان کی سنی خاندان کی تھیں، بیوی کو حج کا شوق ہوا، محمد علی صاحب جو ایک اپٹوڈیٹ انگریزی خواں لیڈر قسم کے آدمی تھے۔ اپنی بیوی کو بمبئی تک پہونچانے کے لیے بمبئی آئے، مگر بمبئی میں خیال ہوا کہ ذرا آگے بڑھ چلو، جہاز پر سوار ہو گئے، اور مدینہ منورہ تک وہ بھی ہماری تقلید میں ساتھ آئے۔ ان کی موٹر اڑ گئی تھی۔ مسجد نبوی میں احرام باندھ کر روضۂ طیبہ پر رخصت ہونے کے لیے حاضر ہوئے، فقیر بھی مسجد کے کسی گوشہ میں تھا رخصت ہو کر جب چمرو صاحب چلنے لگے، تو مجھ پر نظر پڑی، سامنے آئے، ہوش و حواس غائب تھے۔ صرف یہ کہتے جاتے تھے۔

> مولانا! گیا تھا، کہہ کے آیا ہوں، آج آستانہ پر حاضر ہوا ہوں، کل جب وقت روانگی کا ہو تو آپ بھی تشریف لائے گا۔

آنکھیں سرخ اشکبار تھیں۔ روتے جاتے تھے، رلاتے جاتے تھے ان کا روانہ ہو جانا، اور غضب ہوا، قافلہ والوں میں گوز بر بھی پیدا ہوئی، نزلہ کا رخ زیادہ تر اسی دیوانے کی طرف تھا، اسی نے سب کی راہ ماری، حج سے محروم کیا۔ عجیب تھا، کیا خود ہی نہیں بلکہ اپنے جرم میں دوسروں کو بھی ان کے حج سے محروم کرا دیا جائے گا۔

چمرو صاحب چلے گئے اور بھی جو جانے والے تھے مسلسل جا رہے تھے۔ ہماری کمپنی اب بھی صحیح وقت نہیں بتا رہی ہے۔ عربدہ بازیوں سے کام لے رہی ہے،

رات کا وقت تھا۔ رباط جس میں مولانا عبد الباری ان کے والد والدہ کے ساتھ یہ فقیر بھی مقیم تھا۔ سب سوئے ہوئے تھے۔ اسی فکر میں سوئے تھے کہ دیکھئے کل کیا صورت پیش آتی ہے کیونکہ غالباً ذوالحجہ کی ۳ر بھی گذر چکی تھی، ۴ر تاریخ تھی۔ تین بجے کا وقت ہو گا، ہم لوگوں سے دور مولانا کی والدہ،

آرام فرما رہی تھیں کہ اچانک ان کی طرف سے "پیارے پیارے" کی آواز بھرائی ہوئی آواز آنے لگی یہ مولانا عبدالباری کا خانگی نام بچپن کا تھا۔ ان کی والدہ اب بھی زیادہ تر اسی نام سے مولانا کو پکارتی تھیں، میری آنکھیں بھی کھل گئیں اور مولانا والدہ کے پاس دوڑے ہوئے پہونچے "کیا ہے اماں کیا ہے اماں!" ان کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ان ہی ہچکیوں میں ملی ہوئی آواز کے ساتھ فرما رہی تھیں۔

میں نے ابھی خواب دیکھا ہے، دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں دل میں القا ہوا، کہ خود مدینہ والے سرکار ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم سامنے لاری کھڑی ہے۔ ہم لوگوں کا اسباب بھی پڑا ہوا ہے حکم دیا جا رہا ہے کہ ان مسافروں کو جلد سوار کرو، ان کو فوراً حج کے لیے مکہ پہونچاؤ۔"

یہ یا کچھ اسی قسم کے الفاظ تھے۔ شائد یہ بھی مولانا کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ "خود ہی کچھ اسباب کو اٹھا اٹھا کر لاری میں دیکھا کہ "وہ ڈال رہے ہیں سہ

گفتی سرِ تو بستۂ فتراک ما سزد سہل است اگر تو زحمت ایں باری کشی

خاکسار بھی سن رہا تھا، ہوش جاتے رہے، چیخ نکل گئی، مولانا کے والد بھی بیدار ہو گئے، اب کسی کو کسی کی خبر نہ تھی، یہ کیا ہے یا اللہ یہ کیا ہے گریہ وزاری میں رات کٹی۔

نظر جانبِ ہر گنہ گار داری

کے تجربوں کا اعادہ مسلسل ہو رہا ہے صلوات اللہ علیہ وسلامہ کہاں ہندوستان کے چند ٹوٹے پھوٹے نام کے مسلمان حقیر ذرے اور کہاں غیب وشہادت کا آفتاب عالمتاب، مرکز کائنات ایمان کے ساتھ حاضر ہونے والوں کو سلامتی کی دعا دے سرفرازی بخشی جائے اس قرآنی حکم کی تعمیلی شکل کا یہ کتنا اچھا شاہد تھا ایمان کے ساتھ ایمان کے عملی اقتضاؤں کی تکمیل کرنے والے کن نوازشوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں ان کا کون اندازہ کر سکتا ہے، خالق کائنات کے ساتھ نسبت کی تصحیح کائنات کے ذرہ ذرہ کی نسبت کو درست کر دیتی ہے اس راز کو وہ کیا پا سکتے ہیں جو مخلوق سے مستفید ہونے کے لیے مخلوق ہی کو بیچ ڈالتے ہیں وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ خالق سے دور ہو کر اسی خالق کی مخلوق سے کیسے قریب ہو سکتے ہیں۔

خیر صبح ہوئی، مسجد نبوی میں نماز ادا کر کے واپس لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں کمپنی کا نمائندہ ملا، تیار ہو جاؤ، لاری بس اسی وقت کھلے گی۔ مسرت کی لہر دوڑ گئی، قافلہ کے لوگ تیار ہوگئے سوار ہوگئے، اور ۴؍ ذوالحجہ کو جو مدینہ منورہ میں تھے، شاید ۵؍ کی شام کو وہ مکہ معظمہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ ے

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد — دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

کا قصہ بجائے قصہ کے واقعہ بنا ہوا تھا، شاید ڈیڑھ دن میں راستہ طے ہوا، نکلنے کا خیال تو دل سے پہلے ہی نکال دیا گیا تھا[1]، اس لیے مدینہ سے نکلنے پر جس کیفیت کا اندیشہ تھا الحمد للہ کہ وہ طاری نہ ہوئی، ذوالحلیفہ (بیر علی) میں گاڑی رکی، سامنے مسجد تھی، مسجد کے پاس صاف و شفاف پانی سے بھری ہوئی ایک کافی عریض و عمیق باوڑی تھی، خوب نہائے تیرے اور مسجد میں آکر احرام باندھا، الفاظ کہاں ہیں جو شکر و امتنان کے جذبات کی ترجمانی کی گنجائش رکھتے ہوں۔ ے

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ کہ ہوگا ترے کرم سے ہوگا!

مدینہ منورہ کی منزل ختم ہوگئی، رسول کے دربار سے باریاب ہو کر اب اللہ کے بندے اللہ کے دربار میں تھے۔ جس کا قصہ ان شاء اللہ دوسرے حج نمبر میں زندگی نے وفا کی، تو سنایا جائے گا۔

مدینہ منورہ میں آستانہ نبوت کبریٰ کے سوا دوسرا انعام جہاں زمین پر وہ سب کچھ مل جاتا تھا۔ جو شاید آسمانوں میں بھی نہ ملے وہ جنت البقیع کی خوابگاہیں تھیں۔ جن جن کی تلاش تھی، سب وہیں مل جاتے تھے۔ صبح و شام اس کا پھیرا ہوتا تھا۔ احد کے دامن میں بھی گذر کا موقعہ دیا گیا۔ عقیق کی

---

[1] بحرین کے علاقے کے ایک کرسچین (عیسائی) جارود نامی تھے، آستانہ نبوت کبریٰ پر حاضر ہو کر بیعت اسلام سے سرفراز ہوئے طبرانی وغیرہ میں ہے کہ فرحوا به وقربه وادناه (رسول اللہ ان کے اسلام سے بہت خوش ہوئے ان کو قرب بخشا گیا، اور ان کو نزدیکی عطا کی گئی) مدینہ سے رخصت ہونے کے بعد ایک قصیدہ لکھا جس کے دو شعر یہ بھی تھے۔

فابلغ رسول اللہ عنی رسالۃ ٭ بانی حنیف حیث کنت من الارض ٭ فان لم تکن داری بیثرب فیکم ٭ فانی لکم عند الاقامۃ والخفض

جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ تک اس فقیر کا یہ پیغام پہونچا دیا جائے کہ وہ ہر جگہ باطل سے ٹوٹ کر حق کے ساتھ لپٹا ہوا ہو خواہ زمین کے اس کرے پر کسی جگہ بھی رہے، میرا گھر اگر یثرب مدینہ میں آپ لوگوں کے درمیان نہیں ہے تو کیا ہوا، میں آپ ہی کے لیے ہر حال میں ہوں نشست و برخواست ہر حال میں۔ (اصابہ صفحہ ۲۲۶)

ندی جو دامن احد میں گویا ایک برساتی نالہ ہے۔ اس کے پانی کے استعمال کی بھی سعادت حاصل ہوئی، حرّہ کے ایک سنگی گڑھے کے پانی سے وضو کیا، ایک دن مدینہ میں بارش کا لطف بھی حاصل ہوا، مسجد نبوی کی میزاب کے نیچے غسل کرنے والوں نے غسل کیا۔ الغرض ایک مہینہ تین دن کی یہ مدت زندگی کی ایسی مدت تھی، جس کی نظیر پچاس ساٹھ سال کی طویل مدت میں نہ ملی ہے نہ مل سکتی ہے۔

بقیع کا ایک واقعہ

اس سلسلے کا ایک ارتسام ذہنی ایسا ہے، جو مٹائے نہیں مٹتا، بقیع کی جنت کی سیر میں تنہا مصروف تھا کہ اچانک ایک سرخ و سپید چہرے بدن والے نوجوان کلّہ سیاہ داڑھی سے بھرا ہوا، سامنے سے گذرتے ہوئے معلوم ہوئے انھوں نے مجھے دیکھا میں نے ان کو "سلام" سے راہ و رسم کی ابتدا ہوئی دریافت سے معلوم ہوا کہ مراکش وطن ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا تو کہاں کا ہے، ہند جواب دیا گیا۔ اس کے بعد واقعہ پیش آتا ہے، مراکشی نوجوان نے عربی میں کہا کہ ہندوستان پر تو انگریزوں کی حکومت ہے، ہاں! کہتے ہوئے فقیر نے عرض کیا کہ مراکش پر بھی تو فرانس قابض ہے۔ اس فقرے کے بعد پھر کیا ہوا! میں نے دیکھا کہ نوجوان مراکشی مجھ سے لپٹا ہوا ہو سامنے قبۂ خضرا تھا، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلبلاتے اور چیختے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔ یا رسول اللہ ان امتک فی الاسر فی اسر النصاری۔ یا رسول اللہ آپ کی امت قید و بند میں گرفتار ہے نصاریٰ کی قید و بند میں، وہ بھی رو رہے تھے، اور جس کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے وہ بھی رو رہا تھا، دونوں کی التجا، کا رخ ایک ہی طرف تھا، مغرب اقصےٰ اور مشرق کے دور دراز کے دو باشندوں کا جو روحانی مقدس رابطہ تھا۔ اسی سے عرض کر رہے تھے، کچھ دیر یہ وقت بھی خوب گذرا، اور جس وقت مواجہ مبارک میں ہندی جاوی، نجاری، شامی، مغربی، ایشیائی، افریقی، گورے کالے لال پیلے، اونچے اونچے قد والے چھوٹی چھوٹی قامت رکھنے والے طرح طرح کے لوگ جمع ہوتے، سلام عرض کرتے، خدا جانے دوسرے کن نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے تھے، یا اب بھی دیکھتے ہیں لیکن اچانک اپنے خیال کے سامنے حشر کا میدان آجاتا، وہی میدان جہاں بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح آدم کی اولاد ماری ماری پھرے گی اور العالمین کے رسول پر ایمان لانیوالی امت اپنے رسول کو ڈھونڈھے گی، ڈھونڈھے گی، اور پائے گی، آج ایک ہلکا سا نقشہ اسی میدان کا سامنے تھا۔ دیر تک اس نظارے میں غرق رہتا، بجلی کی طرح دل پر واردات گذرتے، گذرتے

رہتے ۔

سچی بات تو یہی ہے کہ ہر طرف یہاں بجلی ہی بجلی، برق ہی برق نور ہی نور تھا، صرف روشنی تھی، تاریکی کا نام نہیں تھا، صرف سکون تھا، بے چینی کا پتہ بھی نہ تھا۔ صرف محبت تھی، محبت ہی محبت کا چشمہ فوارے کی طرح اچھل رہا تھا، ابل رہا تھا صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

ہاں! ایک آخری بات بھی سن لیجئے۔ مدینہ منورہ پہونچ کر اکیس آدمیوں کا یہ قافلہ مختلف قیام گاہوں میں تقسیم ہو گیا، مولانا عبد الباری ان کے والدین اور فقیر کا قیام ایک ہی جگہ تھا۔ قیام کے ساتھ ہم چاروں کے طعام کا نظم بھی مشترک تھا۔ روانگی سے پہلے حساب کیا گیا کہ ایک مہینہ تین دن میں طعام کے مصارف کیا ہوئے، کھانے میں کافی فراخدلی اور وسعت سے کام لیا جاتا تھا، ناشتہ میں چائے کے سوا کباب انڈے دہی اور طرح طرح کی چیزیں بھی شریک رہتی تھیں، یہ صحیح ہے کہ غیر تاریخی گرانی جس کا تجربہ جنگ عظیم کے بعد والی جنگ اعظم کے بعد دنیا کو ہوا ہے اس کا ذکر تو کیا شاید ہی نوع انسانی کو تاریخ کے کسی دور میں اس کا سان گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔ اور موجودہ زمانہ کے لحاظ سے نسبتًا ارزانی ہی تھی، لیکن جنگ اعظم نہ سہی، یہ سفر ہم لوگوں کا جنگ کے بعد ہوا تھا۔ عرب جنگ عظیم سے غیر معمولی طور پر متاثر تھا۔ مسلسل انقلابوں سے اس ملک کو گذرنا پڑا تھا۔ عربوں کو پیار کرنے والی حکومت ترکی کا اقتدار عرب سے ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے ہندوستان کے لحاظ سے وہاں غیر معمولی گرانی تھی۔ بھاؤ تو اب یاد نہیں رہا۔ مگر پھر بھی غیر معمولی گرانی ہی تھی۔

مگر مولانا عبد الباری صاحب نے جب حساب کیا تو وہ کچھ ہچکے سے ہو کر رہ گئے، میں بھی سن کر حیران تھا، جب مولانا فرمانے لگے کہ ایک مہینہ تین دن کی اس پوری مدت میں فی کس آٹھ روپے کا حساب پڑتا ہے کل آٹھ روپے، جن میں کھانا بھی ہے اور ناشتہ بھی اور چائے بھی، کچھ تکلفات بھی، بار بار میزان کی جانچ کی گئی، اعداد کو دیکھا گیا۔ لیکن آٹھ سے آگے یہ عدد کسی طرح نہ بڑھا، مجبورًا تسلیم کرنا پڑا، کہ مہمانی میں درحقیقت یہ سارے دن گذرے، آٹھ کا عدد بھی صرف "پردہ" تھا،

اس محسن کریم کے قربان جائیے — احسان جس کا صورت احسان میں نہ تھا

اللھم صلی وسلم وبارک علیہ وعلی آلہ وصحبہ واھل بیتہ اجمعین۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عرض احسن

بآستانۂ نبوتِ کبریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

[مولٰنا سید مناظر احسن گیلانی کی وہ نظم جس کا ذکر ان کے مضمون میں آچکا ہے، ذیل کا تمہیدی نوٹ مولانا موصوف ہی کا لکھا ہوا ہے ——— مدیر]

"کسی دیوانے کو مدت ہوئی حاضری کی سعادت میسر آئی تھی، حجاز ہی سے مسلمانان عالم کے حالِ زار کو ایک نظم کی صورت میں قلم بند کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اس کی توفیق بھی اس کو میسر آئی کہ جہاں عرض کرنا چاہتا تھا، عرض کرنے کا موقع عطا فرمایا گیا۔

"عرض احسن" کے نام سے متعدد بار یہ نظم شائع ہو چکی ہے، آج مولٰنا نعمانی کی فرمائش پر الفرقان کے حج نمبر کے لیے اسی نظم کو نقل کر کے ارسال کر رہا ہوں، جنون ہی کے آثار ہیں کہ نظم اردو میں شروع ہوئی، چند مصرعوں کے بعد فارسی ہو گئی، اور آخری مصرعے عربی زبان میں ادا ہوئے۔ والجنون فنون" ——— مناظر احسن گیلانی

ہر ایک سے ٹکرا کر　　ہر شغل سے گھبرا کر　　ہر فعل سے شرما کر　　ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر

اے خاتم پیغمبر　　یا قاسم للکوثر　　اے سرورِ ہر سرور　　اے رہبرِ ہر رہبر
اے آنکہ توئی افسر　　ہر کہتر و ہر مہتر　　فی المبدء والمحشر　　اے ہستی تو محور
للاکبر والاصغر　　اے طلعت تو منظر　　للاول والآخر　　اے رحم جہاں پرور
آقائے کرم گستر　　آمد بدرت بنگر

امروز چہ مہمانے　　ناکارہ و نادانے　　آلودۂ عصیانے　　آغشتہ و امانے
بازیچۂ شیطانے　　از کردہ پشیمانے
آمد بدرت بنگر　　نے توشہ و نے یاور

نے ساز نہ سامانے　　نے علم نہ عرفانے　　نے دین نہ ایمانے　　نے فضل نہ احسانے

از خانۂ ویرانے وز کلبۂ احزانے وز مجلس زندانے ناشکری و کفرانے

آمد بدرت بنگر کالحائر والمضطر[1]

باچاک گریبانے باسینۂ بریانے بادیدۂ گریانے با اشک فراوانے

با نالۂ و فغانے باشورش پنہانے بادانش حیرانے باعقل پریشانے

درصورت عطشانے درگریہ درمانے خواہد زتو فرمانے پروانۂ غفرانے

آمد بدرت بنگر البائس والمعتر

شاہا تو بمن منگر بر رحمتِ خود بنگر انصاف تو کن آخر غیراز تو مرا دیگر

من ناظر والناصر والشافع و مستغفر

تو بخشش[2] رحمانی تو سایۂ یزدانی تو شاہد ربّانی تو جلوۂ سبحانی

تو مرکز اعیانی تو جوہر فروانی تو مبدء اکوانی تو مقصد امکانی

تو مرجع و پایانی تو جانی وجانانی ہم روحی و روحانی تو زبدۂ انسانی

تو نیّر فارانی تو دُرّہ عدنانی

تو ہبط قرآنی

تو خاتم ادیانی ہاں دینی و ایمانی

اے آنکہ تو درمانی ہر رنج و پریشانی بنگر کہ مسلمانی تورانی و ایرانی

ہم ہندی و افغانی ہم مصری و سودانی از نزغہ شیطانی وز جذبۂ حیوانی

وز دانش نفسانی وز شورش عمرانی یونانی[3] و رومانی افرنجی و برطانی

در سکرت و ہیمانی در لطمۂ نادانی

در ورطۂ ظلمانی

در فتنہ و طغیانی فی البغی و عدوانی

؎۱ مانند حیران اور سراسیمہ وپریشان کے ۱۲ ؎۲ حقیقت محمدیہ کے نزول وظہور کے مدارج کا اظہار ایک خاص ترتیب سے ان مصرعوں میں کیا گیا ہو ۱۲

؎۳ موجودہ زمانے کے تمام فتنوں کا سرچشمہ، مغرب کا شیطانی اور جاہلی حیوانی ونفسانی تمدن ہو اور اس تمدن کی بنیاد روم و یونان کے قدیم تمدن پر قائم ہو، اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہو ۱۲۔

ہاں دست ز عار بکشا ، از دوۂ اوادنی[1] وز قبہ ما اوحی[2] اے مرضی تو ترضی[3]

اے ملت تو بیضا فاللیل لقد یغشی[4] والکفر قد استعلی[5] ذا امتک الضعفی[6]

فی سیطرۃ الاعداء[7] ہاں سہمک لا یطغی[8]

ور میک لا یخطی[9]

واللہ ھو الاعلی[10] والحق فلا یعلی[11]

---

[1] اوادنی سورۂ النجم کی آیت ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی کی طرف تلمیح کی گئی ہو [2] فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (یعنی جب اوادنی کے مقام تک عروج ہوا تو اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی جو کچھ بھی وحی کی) یہ بھی اسی سورۂ النجم کی آیت ہو۔

[3] سورۂ والضحیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد الٰہی ہوا ہو کہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (قریب ہو کہ تیرا رب تجھے اتنا دے کہ تو راضی ہو جائے) بلاشبہ اس آیت میں بڑی بشارتیں پنہاں ہیں، العالمین کی رحمت کی رضامندی کے حدود کو سوچئے اور سر دھنیے۔ [4] بس رات چھاگئی [5] اور کفر اونچا ہوگیا [6] آپ کی کمزور ناتوان امت ہو۔ [7] دشمنوں کے قابو میں ہو [8] آپ کا تیر نشانہ سے ہٹ نہیں سکتا [9] اور آپ کے نشانہ کو غلط نہیں کہا جاسکتا ہو [10] اللہ ہی سب سے بڑا ہو [11] اور حق پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ میں

ایک دور بین زندہ دل مرد درویش بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل، نیک و بد، اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اسکے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی اور اسکو دیکھ دیکھ کر موجودہ مسلمانوں کی زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مشغول تھا، اس نے پوری زندگی اسمیں صرف کی کہ مسلم کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنائے جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہو، (مقدمہ جامع المجددین از سید سلیمان ندوی) یہ کسی گذشتہ صدی کے تجدیدی کارنامہ کا ذکر نہیں ہو، بلکہ ہماری اسی صدی کا ذکر ہو، اس اجمال کی تفصیل مولنا عبدالباری صاحب ندوی سابق پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی دکن کی تصنیف کردہ ذیل کی دو ضخیم کتابوں میں دیکھئے۔

جامع المجددین

مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں یعنی ایمان میں، اعمال میں، اخلاق میں اور معاملات و معاشرات میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں انکا صحیح صحیح جائزہ لیکر حکیم الامت حضرت مولنا تھانوی نے اپنی پچاسوں کتابوں اور سیکڑوں مواعظ میں انکی اصلاح اور درستی کی جو کوشش فرمائی تھی مولنا عبدالباری صاحب نے قریباً چھ سو صفحے کی اس کتاب میں بڑے مؤثر اور دلکاویز پیرائے میں اس سب کو ایک نئے انداز میں مرتب کردیا ہو، اس دور میں ہندستان سے اس کتاب کی اشاعت گویا ایک لطیفۂ غیبی ہے۔

شروع میں علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا نہایت فاضلانہ اور بصیرت افروز مقدمہ ہو۔

کتابت اچھی، کاغذ عمدہ، مجلد مع خوبصورت گردپوش

قیمت ...... صہ/

تصوّف وصوفیہ

اور ہندوستان میں ان کی برکات

تصوف و صوفیہ کے موضوع پر یہ ایک عدیم النظیر فاضلانہ اور محققانہ علمی مقالہ ہو، شروع میں تصوف و احسان کی حقیقت اور اس کے آغاز کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہو اور بتلایا گیا ہو کہ تصوف اسی چیز کا نام ہو جس کو کتاب و سنت میں احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو ـــــ پھر تاریخ کی مستند شہادتوں کی روشنی میں بتلایا گیا ہو کہ امت کے چاروں مشہور امام (ائمۂ اربعہ) دین کے اس شعبہ کے بھی امام تھے، اور اپنے اپنے زمانہ کے ائمۂ تصوف سے انھوں نے استفادہ کیا تھا۔

پھر پوری تفصیل سے بتلایا گیا ہو کہ خصوصیت سے ہندستان میں صوفیہ صافیہ خاص کر اہل چشت نے دین کی بنیاد قائم کرنے اور کلمۃ اللہ کو یہاں بلند کرنے میں کیا حصہ لیا، اور اسلامی ہند کی تعمیر میں انکی مساعی کو کتنا دخل ہو۔

تاریخ کے ہزاروں صفحات کا عطر اور خلاصہ ہے۔

قیمت صرف ـــــ ڈیڑھ روپیہ ـــــ عہ/

تجدید تصوف و سلوک

حکیم الامت حضرت مولنا تھانوی نے دین کے جس شعبہ کی خدمت سب سے زیادہ کی وہ "تصوف و سلوک" ہو حضرت کی تصنیفات اور مواعظ کے ہزاروں صفحے اس موضوع سے متعلق ہیں ـــ مولنا عبدالباری صاحب ندوی نے حضرت کے ان تمام افادات کو قریباً پانچسو صفحہ کی اس کتاب میں بڑے ہی دلآویز اور مؤثر انداز میں جمع کردیا ہو ـــ واقعہ یہ ہو کہ تصوف کے موضوع پر زمانہ حاضرہ کی ضرورتوں کے مطابق ایسی جامع اور محققانہ کتاب اردو ہی نہیں دوسری زبانوں میں بھی ہمارے علم میں نہیں ہو ـــــ عہد حاضرہ کے تصوف کے مخالفین اور موافقین دونوں گروہوں کی غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کی اصلاح کی اس میں کامیاب کوشش کی گئی ہو اور تصوف کی اصل حقیقت کو ہر طرح کے گرد و غبار سے صاف کرکے اسمیں پیش کردیا گیا ہو ـــــ کاغذ اعلیٰ قسم کا ولایتی مجلد مع گردپوش ـــــ قیمت ـــــ صہ/

آپ حج کس طرح کریں؟ :-

عازمِ حج کے نام!

"یہ خط حج کو جانے والے اپنے ایک مخلص دوست کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے، چھپنے کے بعد جن عازمینِ حج کی نظر سے یہ گذرے وہ اپنے کو اس کا مخاطب سمجھ کر پڑھیں انشاء اللہ یہ خط ان کی پوری رہنمائی کرے گا۔" (محمد منظور نعمانی)

باسمہ سبحانہ

بڑے خوش نصیب، میرے دینی بھائی! تم پر اللہ کا سلام، اور اسکی رحمتیں!

اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر و عظمت کو پوری طرح محسوس کیجئے اور اس کا شکر ادا کیجئے کہ اپنے مقدس گھر اور اپنے محبوب رسول کے محترم شہر کی حاضری کا ارادہ اُس نے آپ کے دل میں ڈالا اور اس کا سامان بھی مہیا کر دیا۔ ؏

"کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے"

اور سب سے بڑا شکر اس نعمت کا یہ ہے کہ وہاں کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کیلئے تا بحدِ امکان اپنے کو تیار کرنے میں، اور حج کے اعمال اور اس کا طریقہ سیکھنے کی کوشش میں ابھی سے مشغول ہو جائیے!۔۔۔۔

بڑا بے نصیب، بڑا ناشکرا اور اپنے رب کی اتنی بڑی نعمت کی بڑی ناقدری کرنے والا ہے وہ بندہ جس کو اُس کا مولا ایسا موقع دے اور وہ وہاں کی حاضری کے آداب اور طریقے سیکھنے اور وہاں کے لئے اپنے کو بنانے سنوارنے کی کوئی فکر نہ کرے، اور یوں ہی غفلت اور لاپرواہی اور بد سلیقگی اور بے شعوری کے ساتھ وہاں جا اُترے۔

چند ورق کے اس خط میں جو کچھ لکھنے کا ارادہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے لکھوا دیا تو حج کے اعمال و آداب معلوم کرنے میں انشاء اللہ اس سے آپ کو کافی مدد ملے گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

اچھے رفیق کی تلاش :-

اس راستہ میں سب سے زیادہ ضروری اور پہلی چیز یہ ہے کہ حج کو جانے والے اللہ کے کسی ایسے بندے کا ساتھ تلاش کیجئے جو حج کے مسائل بھی اچھی طرح جانتا ہو، اور مردِ صالح ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی ایسے بندے کا ساتھ نصیب فرمادیں جو مسائلِ حج سے واقفیت اور صلاح و تقویٰ کے علاوہ حج کا تجربہ بھی رکھتا ہو تو نورٌ علیٰ نور، بس اُن سے اجازت لے کر اُن کے ساتھیوں میں شامل ہو جائیے، اور پھر پورے سفر میں اُن کے مشوروں پر عمل کیجئے۔ لیکن اس کی پوری احتیاط کیجئے کہ آپ ان کے لئے تکلیف کا سبب نہ بنیں، اللہ کے صالح بندے چونکہ عام لوگوں سے زیادہ حساس اور لطیف مزاج ہوتے ہیں، اس لئے خلافِ مزاج باتوں سے انھیں دوسرے لوگوں سے زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

ساتھ رکھنے کی چند کتابیں :-

سفرِ حج میں کچھ دینی کتابیں بھی ضرور اپنے ساتھ رکھئے، کم از کم ایک کتاب ایسی ہو جس سے بوقتِ ضرورت حج کے مسائل معلوم ہو سکیں، اور ایک دو کتابیں ایسی جن کے مطالعہ سے آپ کے دل میں عشق و محبت اور خوف و خشیت کی وہ کیفیات پیدا ہوں جو دراصل حج کی اور ہر دینی عمل کی رُوح ہیں۔ ضروری مسائل کے لئے مفتی سعید احمد صاحب (سہارنپوری) کی مختصر کتاب "حج و زیارت کا مسنون طریقہ" کافی ہے۔ (مفتی صاحب موصوف ہی کی دوسری کتاب "معلم الحجاج" ہے، جو حج کے مسائل پر بہت جامع اور مفصل کتاب ہے، لیکن کم تعلیمیافتہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے)۔ اور کیفیات و جذبات پیدا کرنے کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ کی کتاب "فضائلِ حج" اور سالگذشتہ کے الفرقان کے "حج نمبر" کے بعض مضامین قابلِ مطالعہ ہیں، ان کے علاوہ عمومی دینی تعلیم کے لئے اس عاجز کی تالیف "اسلام کیا ہے؟" انشاءاللہ کافی ہے۔

یہ کتابیں اس سفر میں خود اپنے مطالعہ میں رکھئے، دوسروں کو پڑھوائیے، اور بے پڑھے بھائیوں کو پڑھ کر سنائیے۔ اس مشغلہ میں آپ کا جتنا وقت گذرے گا، انشاءاللہ اعلیٰ درجہ کی عبادت میں گذرے گا۔

اخلاص اور تصحیح نیت :-

سفر شروع کرنے سے پہلے نیت کا جائزہ لیجئے اور صرف اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے حصول، اور آخرت کے ثواب کو اپنا مقصد بنائیے۔ اس کے سوا کوئی چیز آپ کے لئے اس مقدس سفر کی محرک نہ ہو۔ اللہ کے یہاں وہی عمل قبول ہوتا ہے جو صرف اُس کے حکم کی تعمیل میں اور اُس کی رضا کے لئے کیا گیا ہو۔

گناہوں سے توبہ واستغفار :-

روانگی سے پہلے سارے چھوٹے بڑے گناہوں سے سچے دل سے توبہ واستغفار کیجئے، تاکہ گناہوں کی گندگی سے صاف ستھرے ہو کر آپ اپنے مولا کے دربار میں پہنچیں۔

حقوق العباد کی تلافی یا معافی :-

اللہ کے جن بندوں کے حقوق آپ کے ذمہ ہوں، جن کی کبھی آپ نے حق تلفی کی ہو، جنکو ستایا ہو، جن کا کبھی دل دکھایا ہو، ان سب سے معاملہ صاف کیجئے، معاف کرائیے، یا بدلہ دیجئے۔ اگر کسی کی امانت ہو تو اس کو ادا کیجئے ____ جن امور کے متعلق وصیت کرنی ہو اُن کے متعلق وصیت نامہ لکھ دیجئے ____ اور سوچ سمجھ کے اور استخارہ کرکے جانے کا دن اور وقت مقرر کر لیجئے۔

روانگی کا دن آنے سے پہلے ہی تمام انتظامات اور تیاریوں سے فارغ ہو جایئے تاکہ روانگی پورے اطمینان سے ہو سکے۔

گھر سے روانگی :-

جب روانگی کا وقت آئے تو خوب خشوع خضوع سے دو رکعت نفل نماز گھر میں پڑھئے، اور سلام پھیرنے کے بعد سفر میں سہولت وعافیت کی اور معاصی سے حفاظت کی، اور حج مبرور[1] اور زیارت مقبولہ نصیب ہونے کی پورے الحاح سے دعا کرکے اہلِ خانہ سے رخصت ہو جایئے ____ یاد ہو تو

---

[1] حج مبرور وہ ہے جس میں کوئی بات اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو، اور عند اللہ مقبول ہو۔ ۱۲

گھر سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھئے :-

"بِسْمِ اللّٰهِ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ، تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

یہ دعا یاد نہ ہو تو صرف "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر نکلئے۔

جب سواری پر سوار ہوں :-

پھر جب آپ سواری پر، مثلاً ریل پر سوار ہوں اور وہ روانہ ہونے لگے تو اللہ کی حمد کیجئے، اور اس کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے ہماری راحت اور سہولت کے لئے دنیا میں یہ سواریاں مہیا فرمائیں، اور اتنے بڑے بڑے سفروں کو ہمارے لئے آسان کر دیا۔ اور یاد ہو تو یہ دُعا پڑھے :-

"سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ"

امیر قافلہ، اور قافلہ کا تعلیمی نظام :-

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک جگہ سے کئی کئی حاجی ساتھ روانہ ہوتے ہیں (اور یہی بہتر بھی ہے) جب ٹرین روانہ ہو جائے اور اپنے اپنے سامان وغیرہ کی طرف سے سب ساتھی مطمئن ہو جائیں تو کسی ایک سمجھدار ساتھی کو قافلہ کا امیر بنا لیجئے، اور یہ بھی طے کر لیجئے کہ اس پورے سفر میں حج کے مسائل اور اس کا طریقہ اور اس کے علاوہ بھی دین کی اور ضروری باتیں سیکھنے سکھانے کا سلسلہ انشاء اللہ جاری رکھیں گے۔ جن لوگوں کو ساری عمر دین سیکھنے کی نوبت نہیں آتی، انھیں حج کے سفر میں اس کا کافی موقع مل جاتا ہے ـــــ الغرض سوچ سمجھ کے پورے قافلہ کا ایک تعلیمی نظام بھی بنا لیجئے، یہ بڑی اہم اور بڑے کام کی بات ہے ـــــ حج کو جانے والوں میں بکثرت ایسے ہوتے ہیں جنھیں نماز پڑھنا بھی نہیں آتا ہے، اور بیچارے بعضے تو کلمہ تک سے ناواقف ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کی دینی تعلیم پر وقت صرف کرنا بلاشبہ نوافل اور ذکر اذکار سے افضل ہے۔

ریل میں نماز اور جماعت کا بھی پورا اہتمام کیجئے، اگر غفلت کی وجہ سے ایک وقت کی نماز بھی خدانخواستہ قضا ہو گئی تو بیت اللہ کی سو نفل نمازوں سے بھی اسکی تلافی نہیں ہو سکے گی۔

جہاز کے انتظار کا زمانہ :-

ریل کا سفر ختم کر کے جہاز کے انتظار میں بسا اوقات اچھی خاصی مُدت تک حاجیوں کو بمبئی یا کراچی میں قیام کرنا پڑتا ہے، آپ اس قیام کے زمانہ میں اچھی طرح اس کا خیال رکھیں کہ آپ حج و زیارت کے ارادہ سے گھر سے نکلے ہیں اس لئے بے فائدہ سیر و تفریح اور خواہ مخواہ بازاروں میں گھومنے پھرنے سے پرہیز کریں اور پورے اہتمام سے اپنا تعلیمی نظام اور دوسرے معمولات یہاں کے زمانۂ قیام میں بھی جاری رکھیں۔

بمبئی اور کراچی میں تبلیغی جماعتیں :-

ان دونوں بندرگاہوں پر (بمبئی میں حاجیوں کے مسافر خانوں میں اور کراچی میں حاجی کیمپ میں) آپ کو انشاء اللہ تبلیغی کام کرنے والے اللہ کے کچھ بندے ملیں گے، آپ اُن کے تبلیغی اور تعلیمی نظام میں شریک ہو جائیے، اور اگر اُن کی کوئی خاص جماعت حج کو جانے والی ہو (اور گذشتہ سال سے اکثر جہازوں میں تبلیغی جماعتیں جاتی ہیں) تو آپ کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو جائیے، انشاء اللہ اُن کی رفاقت میں آپ کو بہت کچھ دینی برکتیں حاصل ہونگی۔

پورے سفرِ حج کے لئے بمبئی یا کراچی سے کیا کیا آپ کو ساتھ لینا چاہئے، یہ سب آپ کو اُن تبلیغی دوستوں سے ہی معلوم ہو جائے گا، اور اگر آپ اُن کے رفیق بن گئے تو آپکے یہ سارے انتظامات بھی انشاء اللہ آسانی سے مکمل ہو جائیں گے۔

بمبئی اور کراچی کی مُدتِ قیام میں آپکے مشاغل :-

بمبئی اور کراچی میں اکثر حجاج کا وقت بڑے انتشار اور پریشانی میں گذرتا ہے، آپ اپنی طبیعت میں جب انتشار اور پراگندگی اور پریشانی کی کیفیت محسوس کریں تو اپنے کو کسی اچھے کام میں لگا دیں، مثلاً نفل نماز پڑھنے لگیں یا اللہ کے ذکر میں یا قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو جائیں یا اس وقت بیٹھ کر بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کی حاضری اور روضۂ اقدس کی زیارت کے تصور سے لذت حاصل کرنے لگیں، یا کوئی شوق انگیز کتاب پڑھنے لگیں۔ ایسے وقت کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

کی کتاب "فضائلِ حج" کے اُس حصہ کا مطالعہ انشاء اللہ خاص طور سے مفید ہوگا جس میں اللہ و رسولؐ سے سچی محبت رکھنے والے بزرگوں کے حج و زیارت کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ——— گزشتہ سال (۶۸ھ) کے "الفرقان" کے "حج نمبر" میں رفیقِ محترم مولانا سید ابو الحسن علی کا جو مضمون زیرِ عنوان "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" شائع ہوا تھا وہ بھی اس مقصد کے لئے بہت مناسب اور دل پر بہت اثر کرنیوالا اور بڑا شوق انگیز ہے ——— نیز ہمارے دوست زائرِ حرم حضرتِ حمید صدیقی لکھنوی کے کلام کا مجموعہ "گلبانگِ حرم" بھی اس مقصد کے لئے بہت خوب ہے۔

بہرحال بمبئی یا کراچی میں (اور اس کے بعد بھی ہر منزل و موقع پر) جب طبیعت میں انتشار اور پراگندگی کا اثر ہو تو مذکورۂ بالا مشغلوں میں سے کسی مشغلہ میں لگ جائیے! انشاء اللہ طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے گا۔

جہاز پر سوار ہوتے وقت:-

جب جہاز پر سوار ہونے کا وقت آئے تو سلامت و عافیت اور معاصی سے حفاظت کی دُعا کرتے ہوئے بسم اللہ کہہ کے سوار ہو جائیے اور یاد ہو تو یہ دُعا پڑھیئے:-

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ـ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝

سمندری سفر کا زمانہ:-

اگر کوئی تیز رفتار جہاز آپ کو ملا تو بھی کم از کم سات آٹھ دن، ورنہ بارہ تیرہ (۱۲، ۱۳) دن آپ کے جہاز میں گذریں گے ـــــ بہت سے لوگوں کو بحری سفر کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے اور جہاز کی غیر معمولی حرکت سے دوسرے ہی دن سے چکر آنے لگتے ہیں اور اس کا سلسلہ کئی کئی دن رہتا ہے، بعضوں کی طبیعت زیادہ خراب بھی ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ کو ایسی کوئی تکلیف ہو تو وقت پر نماز کی ادائیگی کا اس حالت میں بھی پورا اہتمام کیجئے۔ ہوش و حواس کی حالت میں جس شخص کی ایک وقت کی نماز بھی فوت ہو جائے وہ بڑے خسارہ میں ہے۔ اور جن دنوں میں طبیعت اچھی رہے تو تبلیغ و تعلیم اور ذکر و نوافل

کے معمولات ہمت سے پورے کرتے رہیئے۔ خصوصاً مناسک حج کے سیکھنے، ضروری مسائل کے یاد کرنے، یا دوسروں کو بتلانے اور یاد کرانے میں اپنا وقت گذاریئے، نیز دوسرے حجاج بالخصوص بوڑھوں اور کمزوروں کی خدمت کی سعادت ضرور حاصل کیجئے، اور یہ سمجھ کے خدمت کیجئے کہ یہ اللہ و رسول صلعم کے مہمان ہیں، اور میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا غلام ہوں اسلئے اس نسبت سے مجھ پر ان کی خدمت کا حق ہے۔ بعض اہلِ معرفت کا ارشاد ہے، کہ:۔

"طاعت و عبادت سے تو جنت ملتی ہے، اور بندوں کی خدمت کے صلہ میں خود مولا ملتا ہے"

میقات آنے سے پہلے احرام کی تیاری:۔

جدہ جب قریباً ایک دن رات کی مسافت پر رہ جاتا ہے تو وہ مقام آتا ہے جہاں سے ہندستانی حجاج احرام باندھتے ہیں۔ جہاز میں بہت پہلے سے اس کا چرچا شروع ہو جاتا ہے، جہاز کے کپتان کیطرف سے بھی اعلان کر دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت جہاز یلملم کی پہاڑیوں کے سامنے سے گذرے گا، جب وہ وقت قریب آئے تو آپ بھی احرام کی تیاری شروع کر دیں[1]۔ اگر حجامت بنوانے کا موقع ملے تو بنوالیں، ناخن ترشوالیں، بغل وغیرہ کی بھی صفائی کر لیں اور خوب اچھی طرح غسل کریں، جس میں میل کچیل اور ہر قسم کی گندگی سے جسم کی صفائی اور پاکیزگی کی پوری کوشش کریں، اور احرام باندھنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

حج کی تین صورتیں:۔

احرام کا طریقہ معلوم کرنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے آپ کے لئے حج کی تین صورتیں ہیں، پہلی یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں، اور احرام کے وقت صرف حج کی نیت کریں، اس کو "اِفراد" کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھیں اور ایک ہی

---

[1] جو حضرات حج سے پہلے جدہ سے سیدھے مدینۂ طیبہ جانے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ یہاں احرام نہ باندھیں، اُن کو مدینۂ طیبہ سے روانگی کے وقت احرام باندھنا چاہیئے۔ ۱۲

احرام میں دونوں کو ادا کرنے کی نیت کریں، اس کو "قِرَان" کہتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں احرام کی ساری پابندیاں حج سے فارغ ہونے تک قائم رہتی ہیں جن کا نباہنا اکثر لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے، اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایسے کام اور ایسی باتیں کر بیٹھتے ہیں جن کی احرام کی حالت میں ممانعت ہے، اس لئے آج کل عوام کو ان دونوں صورتوں کا مشورہ نہیں دیا جاتا ——
تیسری صورت یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے اور مکہ معظمہ پہنچ کے عمرہ کر کے احرام ختم کر دیا جائے، اور پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھا جائے، اس کو "تمتُّع" کہتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے لئے یہی تیسری صورت آسان اور بہتر ہوتی ہے اسلئے تفصیل سے پہلے اسی کا طریقہ لکھتا ہوں۔

حج تمتع کا طریقہ :-

بہر حال اگر آپ میرے مشورہ کے مطابق تمتع کا ارادہ کریں تو جب میقات قریب آئے تو جیسے کہ اوپر ابھی بتلایا پہلے غسل کریں، اور اگر کسی وجہ سے غسل نہ کر سکیں تو صرف وضو ہی کر لیں، اور سلے کپڑے جسم سے اتار کر ایک لنگی پہن لیں اور ایک چادر اوپر اوڑھ لیں، اور ان ہی دونوں کپڑوں میں دو رکعت نفل نماز پڑھیں، اس نماز میں سر چادر سے ڈھانک لینا چاہئے، پھر جیسے ہی سلام پھیریں سر سے چادر اتار دیں اور دل سے عمرہ کے احرام کی نیت کریں اور زبان سے بھی کہیں، کہ :-

"اے اللہ! میں صرف تیری رضا کے لئے عمرہ کا احرام باندھتا ہوں تو اس کو میرے لئے آسان فرما، اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی توفیق دے، اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔"

تلبیہ :-

پھر اس نیت کے ساتھ ہی کسی قدر بلند آواز سے تین دفعہ یہ تلبیہ پڑھیں :——

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ؕ"

(میں حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور میں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی

شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں، اور ملک اور بادشاہت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں)۔

اس کو تلبیہ کہتے ہیں، یہ حج وعمرہ کا خاص ذکر اور گویا حاجی کا خاص ترانہ ہے، اور دراصل یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پکار کا جواب ہے۔ حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے اللہ کے بندوں کو پکارا تھا کہ آؤ اللہ کے در پہ حاضری دو ـــ پس جو بندے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کے اللہ کے گھر کی حاضری کے ارادہ سے جاتے ہیں وہ یہ تلبیہ پڑھتے ہوئے گویا حضرت ابراہیمؑ کی اس پکار کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب تو نے اپنے مقبول بندے ابراہیمؑ سے ندا دلوا کے ہمیں بلایا تھا ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں تیرے حضور میں حاضر ہیں۔"

بہرحال تلبیہ پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر یقین کرتے ہوئے براہِ راست اسی سے خطاب کریں، اور شوق اور خوف کی کیفیت کے ساتھ بار بار کہیں :۔

لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک ؕ

تلبیہ پڑھ کر خوب خشوع خضوع کے ساتھ اللہ سے دعا کریں ـــ اس موقع پر یہ دُعا خاص طور سے مستحب ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَالنَّارِ"[1]

اس کے بعد تلبیہ کی کثرت رکھیں، اب تلبیہ ہی آپ کے لئے گویا افضل ذکر ہے، جب کسی سے ملنا ہو، جب بلندی پر چڑھنا یا نشیب میں اُترنا ہو تو ہر موقع پر اللہ کی عظمت اور خشیت ومحبت کی کیفیت کے ساتھ یہی کلمہ پڑھئے! :۔

لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک ؕ

---

[1] ترجمہ :۔ "اے اللہ میں تجھ سے تیری رضا اور جنت مانگتا ہوں، اور تیری ناراضی سے اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔"

احرام کی پابندیاں :۔

جب آپ نے احرام کی دو رکعتیں پڑھ کے عمرہ یا حج کی نیت کر لی اور تلبیہ کہہ لیا تو آپ "مُحرِم" ہو گئے، اور آپ پر احرام کی ساری پابندیاں عائد ہو گئیں۔ اب آپ سلا کپڑا نہیں پہن سکتے، سر اور چہرہ نہیں ڈھک سکتے، ایسا جوتا بھی نہیں پہن سکتے جو پاؤں کی پشت کی ابھری ہوئی ہڈی کو ڈھانکنے والا ہو، حجامت نہیں بنوا سکتے بلکہ جسم کے کسی حصّہ کا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے، ناخن نہیں تراش سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، بیوی سے ہم بستر نہیں ہو سکتے، بلکہ ایسی کوئی بات بھی نہیں کر سکتے، جو اس خواہش کو ابھارنے والی ہو، اور جس سے نفس کو خاص لذت ملتی ہو کسی جانور کا شکار نہیں کر سکتے، بلکہ اپنے جسم یا کپڑے کی جوں بھی نہیں مار سکتے[1]۔

حج اور عمرہ کے سلسلہ کا پہلا عمل یہی احرام ہے جو جدہ پہنچنے سے پہلے ہی جہاز ہی پر باندھ لیا جاتا ہے اب مکہ معظمہ پہنچنے تک آپ کو کوئی خاص کام کرنا نہیں ہے، بس احرام کی پابندیوں کو نباہیئے اور شوق و محبت اور خوف و انابت کی کیفیت اپنے اندر بیدار کر کے تلبیہ کثرت سے پڑھتے رہیئے۔ اس زمانہ میں جذب و عشق اور خوف و خشیت کی جس قدر کیفیت آپ کے اندر پیدا ہو جائے بس وہی اصل ابراہیمی میراث ہے، اور وہی حج و عمرہ کی رُوح ہے۔

معلّم کو پہلے سے سوچ رکھیے :۔

جدہ اُترتے ہی آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کا معلّم کون ہے؟ اس سوال کے جواب میں آپ جس

---

[1] عورتوں کے احرام کے بھی یہی احکام ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ سلے کپڑے پہن سکتی ہیں، اور سر کھولنے کا حکم بھی اُن کیلئے نہیں ہے البتہ چہرے پر کپڑا ڈالنے کی ان کیلئے بھی ممانعت ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ ان کا احرام بس یہی ہے کہ چہرے پر کپڑا نہ ڈالیں، حتیٰ کہ جب کسی اجنبی آدمی اور نامحرم شخص کا سامنا ہو تب بھی کسی اور چیز سے آڑ کر لیں کپڑا منہ پر نہ ڈالیں، اس مقصد کیلئے ببلی وغیرہ میں جو ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے وہ نہایت سہل ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کام کے لئے عورتیں اپنے ہاتھ میں پنکھا، یا اس قسم کی کوئی اور چیز رکھیں، جس سے چہرہ نامحرموں سے چھپا سکیں۔ ۱۲

معلم کا نام بتلادیں گے اُسی کے وکیل کے سپرد آپ کو کردیا جائے گا، لہذا پہلے ہی سے سوچ سمجھ کے طے کرلیجئے کہ آپ کس کو اپنا معلم بنانا چاہتے ہیں۔

حجاج کو عموماً اپنے معلموں کی شکایت کرتے ہی دیکھا گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ معلمین بھی اپنے فرائض ادا کرنے میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور حجاج کی رہنمائی اور راحت رسانی کا جو انتظام انھیں کرنا چاہئے اور جتنا وہ کرسکتے ہیں اکثر معلم اتنا بھی نہیں کرتے، لیکن اس عاجز کے نزدیک ان شکایتوں کی بڑی بنیاد خود حجاج کی یہ غلطی ہوتی ہے کہ وہ معلم سے ایسی توقعات وابستہ کرلیتے ہیں جو نہیں کرنی چاہئیں۔ بہت سی انتظامی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں بیچارے معلم بھی بے بس اور دوسروں کے دست نگر ہوتے ہیں۔ پھر بھی اس میں شبہ نہیں کہ بعض معلم تجربہ میں دوسروں سے اچھے ثابت ہوتے ہیں، لہذا سمجھدار اور تجربہ کار حجاج اگر کسی معلم کو اچھا بتلائیں اور مخلصانہ طور پر اس کے متعلق مشورہ دیں، تو آپ اس کو اپنا معلم بنالیں۔ بعض لوگ معلموں کی باقاعدہ ایجنٹی بھی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

جدہ :-

جدہ کے ساحل پر اتر کر آپ کو خوشی ہوگی اور ضرور خوشی ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے حجاز کی اس زمین پر قدم رکھنا آپ کو نصیب فرمایا جس کی محبت ہر مومن کے دل میں تمام ملکوں سے زیادہ ہے۔ جدہ گویا حجاز کا سب سے بڑا بحری اسٹیشن ہے، اور مکہ معظمہ تو گویا دروازہ ہے۔ آپ کا پاسپورٹ یہاں آپ سے لے لیا جائے گا، اور پھر آپ کو واپس نہیں دیا جائے گا بلکہ اندراج وغیرہ کی کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے معلم کے پاس پہنچ جائے گا۔

جدہ میں آپ کے معلم کا وکیل مکہ معظمہ جانے کے لئے آپ کے واسطے سواری کا انتظام کریگا۔ اس میں کبھی کبھی ایک دو دن کی دیر بھی لگ جاتی ہے، اگر ایسا ہو اور وکیل معلم آپ کے قیام کا کوئی معقول انتظام نہ کرے تو آپ سب سے پہلے "حجاج منزل" جائیں، اگر وہاں جگہ مل جائے تو یہ آپ کیلئے سب سے بہتر ہے۔ کافی وسیع مسجد بالکل وسط میں ہے اور ہندوستانیوں کے مزاج اور مذاق کے مطابق کھانے پینے کی دکانیں ہیں جن کی وجہ سے بڑا آرام رہتا ہے۔ ابھی تو ایک وسیع میدان ہموار کرکے

لکڑی کے تختوں کے عارضی کمرے بنا دیئے گئے ہیں، اگر اللہ نے کیا اور مجوزہ نقشہ کے مطابق یہ عمارت کبھی تیار ہو گئی تو اندازہ ہے کہ بیک وقت سات ہزار حاجی اس میں انشاء اللہ آرام کے ساتھ قیام کر سکیں گے۔[1]

جدّہ سے مکہ معظمہ :-

آپ کی طبیعت چونکہ مکہ معظمہ پہنچنے کے لئے بیتاب ہو گی اس لئے جدّہ کا یہ تھوڑا سا قیام بھی آپ پر بہت گراں گزرے گا۔ بہر حال دیر سویر انتظام ہو ہی جائے گا اور آپ موٹر کار سے یا لاری سے مکہ معظمہ روانہ ہو جائیں گے۔ جدّہ سے مکہ معظمہ کا راستہ صرف دو ڈھائی گھنٹہ کا ہے، سڑک اب بہت اچھی بن گئی ہے، ڈرائیور بھی عموماً تیز چلانے ہی کے عادی ہیں۔

حدِ حرم :-

مکہ معظمہ جب قریباً دس میل رہ جاتا ہے تو شمیسیہ وہ مقام آتا ہے جہاں سے حرم کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں ۶ھ میں حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کو عمرہ کرنے سے کفارِ مکہ نے روک دیا تھا، اور پھر صلح کر کے بغیر عمرہ کئے آپ مدینہ واپس ہو گئے تھے۔ یہیں حدیبیہ کا وہ میدان ہے جس کے ایک درخت کے نیچے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صحابۂ کرام سے موت پر بیعت لی تھی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، اور جس کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے۔ بہر حال یہاں سے حرم کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں سڑک کے قریب ہی بطور نشانی کے ایک مینارہ بھی بنا ہوا ہے اور ایک لکھی ہوئی تختی بھی لگی ہوئی ہے۔ جب یہ مقام آئے تو شوق و محبت اور خوف و ادب کی کیفیت کو پوری طرح اپنے پر طاری کیا جائے اور اللہ سے دُعا کی جائے کہ :- اے اللہ! یہ تیرا اور تیرے رسُول کا

---

[1] مکہ معظمہ کا سب سے بڑا اور قدیمی مدرسہ صولتیہ کیرانہ (ضلع مظفر نگر) کے جس علمی خاندان کے اہتمام و انتظام میں چل رہا ہے انھیں حضرات نے اس "حجاج منزل" کی تعمیر کا بھی بیڑا اٹھایا ہے۔ زمین تو نہایت مناسب موقع پر ساحل کے بالکل قریب سعودی حکومت نے دیدی ہے، تعمیر ہندوستان و پاکستان کے اہلِ خیر کی امداد سے انشاء اللہ تکمیل کو پہنچے گی۔ کُل تعمیر کا تخمینہ چالیس پچاس لاکھ روپے کے قریب ہے۔ اہلِ خیر کے لئے انشاء اللہ اچھا مصرف ہے۔ (محمد منظور نعمانی)

حرم ہے، اس میں جانوروں کو بھی امن ہے، تو اس کی برکت اور حرمت سے میرے گوشت پوست اور سارے جسم پر دوزخ کی آگ حرام کر دے اور قیامت کے عذاب سے مجھے امن نصیب فرما۔"

اور اگر معنی مطلب کے ساتھ آپ کو یاد ہو تو اچھا ہے کہ پھر یہ دعا ان عربی الفاظ میں کریں:—

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا حَرَمُکَ وَحَرَمُ رَسُوْلِکَ فَحَرِّمْ لَحْمِیْ وَدَمِیْ وَعَظْمِیْ وَ بَشَرِیْ عَلَی النَّارِ اَللّٰھُمَّ آمِنِّیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ ۔—

مکۂ معظمہ میں داخلہ:—

تھوڑی دیر کے بعد آپ کو مکۂ معظمہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں گی، اُس وقت پھر اپنے اندر خشیت اور ادب کی کیفیت پوری طرح پیدا کر کے اللہ سے دُعا کیجئے:—

"اے اللہ! مجھے اپنے اس پاک اور مبارک شہر میں سکون و اطمینان سے رہنا نصیب فرما اور یہاں کے حقوق اور آداب ادا کرنے کی توفیق دے، اور حلال رزق عطا فرما۔"

پھر جب آپ کی موٹر اللہ کے مقدس شہر میں داخل ہونے لگے تو پھر دل حاضر کر کے دُعا کیجئے:—

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرا فرض ادا کرنے اور تیری رضا اور رحمت کا طالب بن کر آیا ہوں، تو میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور قیامت کے دن کی معافی اور بخشش میرے لئے مقدر فرما دے، اور میرا حج صحیح طور سے ادا کرا دے۔"

مسجد حرام کی حاضری اور طواف:—

موٹر آپ کو معلم کے مکان پر پہنچا دے گی۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سامان اُتار کے، اور اگر وضو نہ ہو تو وضو کر کے اُسی وقت مسجد حرام جائیں۔ مسجد حرام کے بہت سے دروازے ہیں "باب السلام" سے داخل ہونا بہتر ہے۔ داخلہ کے وقت "بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسول اللہ" کہہ کے داہنا پاؤں اندر رکھئے، اور یہ دُعا پڑھئے:—

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ"——

پھر جب بیت اللہ شریف پر نظر پڑے تو "اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" کہہ کے اور ہاتھ

اُٹھا کے خوب دل سے یہ دُعا مانگئے :-

"اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّزِدْ مَنْ شَرَّفَہٗ وَکَرَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ اَوِ اعْتَمَرَہٗ تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْبَیْتِ مِنَ الدَّیْنِ وَالْفَقْرِ وَمِنْ ضِیْقِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ"

(ترجمہ) اے اللہ اپنے اس مقدس گھر کی عزت وعظمت، شرافت وہیبت میں ترقی فرما اور حج وعمرہ کرنے والوں میں جو اس کی تعظیم وتکریم کریں ان کو بھی شرافت وعظمت اور نیکی عطا فرما۔ اے اللہ تیرا ہی نام سلام ہے، اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، تو ہم پر سلامتی بھیج۔ میں اس مقدس گھر کے رب سے پناہ مانگتا ہوں قرضہ سے اور محتاجی سے، اور سینہ کی تنگی سے، اور قبر کے عذاب سے

اس کے بعد سیدھے حجر اسود کی طرف آئیے[1]، اور چونکہ آپ کو اس طواف کے بعد عمرہ کی سعی بھی کرنی ہوگی اس لئے اضطباع کر لیجئے، یعنی احرام کی اوڑھنے والی چادر داہنے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے کے اوپر ڈال لیجئے، اور پھر حجر اسود کے مقابل اس طرح کھڑے ہو کے طواف کی نیت کیجئے کہ آپ کا داہنا مونڈھا حجر اسود کے بائیں کنارے کی سیدھ میں ہو اور پورا حجر اسود آپ کے داہنی طرف ہو۔ پھر نیت کرنے کے بعد ذرا داہنی جانب ہٹکر حجر اسود کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر نماز کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر کہئے :-

"بسم اللہ اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ وللہ الحمد"

پھر اگر موقع ہو تو آگے بڑھ کے ادب سے حجر اسود کو بوسہ دیجئے اور اگر اژدحام ایسا ہو کہ اس کو بوسہ دینا، یا صرف اپنا ہاتھ بھی اس تک پہنچانا آسان نہ ہو تو پھر اپنی ہی جگہ پر کھڑے کھڑے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف کر دیجئے اور یہ خیال کیجئے کہ گویا آپنے اپنی ہتھیلیاں حجر اسود پر رکھ دیں، اور اُس وقت یہ دُعا پڑھئے :-

"بسم اللہ اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ وللہ الحمد"

[1] مسجد حرام میں داخل ہو کے پہلے تحیۃ المسجد نہ پڑھنی چاہئے، بلکہ طواف کرنا چاہئے، یہاں کا تحیہ طواف ہی ہے۔ ۱۲

پھر اپنے ہاتھوں کو چوم لیجئے، اور طواف شروع کر دیجئے۔

ایک طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں، یعنی سات چکروں کا ایک طواف ہوتا ہے۔ پہلے تین چکروں میں رمل[1] کیجئے، یعنی ذرا مونڈھے ہلا کے اور اکڑ کے قریب قریب قدم ڈالیے اور پہلوانوں کی طرح کسی قدر تیز چلئے، باقی چار چکروں میں اپنی معمولی رفتار سے چلئے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ تلبیہ جو احرام کے وقت سے شروع ہوا تھا وہ عمرہ کا طواف شروع کرنے پر ختم ہو جاتا ہے، اس لئے اس طواف میں اور اس کے بعد آپ تلبیہ نہیں پڑھیں گے۔

طواف کی دُعائیں :۔

معلم لوگ طواف میں حاجیوں سے بعض خاص دُعائیں پڑھواتے ہیں جو عام طور سے بیچارے حاجیوں کو یاد نہیں ہوتیں، اور نہ وہ بیچارے اُن کے کسی لفظ کا مطلب سمجھتے ہیں، یہ نہایت مہمل اور غلط طریقہ ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ طواف کے لئے کوئی خاص دُعا ہرگز ضروری نہیں ہے، اگر کوئی بھی دُعا یاد نہ ہو تو صرف

"سبحان الله، الحمد لله، لا اله الا الله، الله اکبر"

پڑھتا رہے[2]۔ تاہم عوام کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی کم از کم دو تین چھوٹی چھوٹی دُعائیں معنی مطلب کے ساتھ یاد کر لیں اور وہی طواف میں پڑھتے رہیں۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بہت جامع اور مختصر مندرجۂ ذیل تین[3] دُعائیں طواف میں پڑھنی ثابت ہیں۔ ان میں سے پہلی دُعا قرآن مجید کی ہے۔ یہ دُعائیں بڑی آسانی سے ہر شخص کو منٹوں میں یاد ہو سکتی ہیں، اگر پہلے سے آپ کو یاد نہ ہوں تو کم از کم ان کو ضرور یاد کر لیں۔

(۱)

"رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

(ترجمہ) اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا۔

---

[1] رمل اور اضطباع صرف اس طواف میں کیا جاتا ہے جس کے بعد سعی کرنی ہو۔ ۱۲

[2] بلکہ اگر طواف میں خاموش بھی رہے جب بھی طواف ہو جاتا ہے۔ ۱۲

(۲)

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

(ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں گناہوں کی معافی اور دنیا اور آخرت میں عافیت کا

(۳)

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَاقَةِ وَمَوَاقِفِ الْخِزْيِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

(ترجمہ) اے اللہ میں کفر سے اور فقر و فاقہ سے اور دنیا و آخرت کی رسوائیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں

عام حاجی اگر صرف یہی دعائیں یاد کرلیں اور پورے طواف میں بس یہی پڑھتے رہیں تو بالکل کافی ہے اور معلموں کی اُن لمبی لمبی دُعاؤں سے جن کو اکثر حاجی بالکل نہیں سمجھتے، بلکہ صحیح طور سے پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ان چھوٹی چھوٹی تین دُعاؤں کا سمجھ کر اور صحیح طور سے پڑھنا ہزار درجہ بہتر ہے۔

ان کے علاوہ بھی جو اچھی دُعائیں یاد ہوں طواف میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ دُعا کا عام اصول یہ ہے کہ جس دعا میں زیادہ جی لگے اور دل میں حضور اور خشوع کی کیفیت پیدا ہو وہی دُعا سب سے بہتر ہے یہاں قرآن و حدیث کی بہت مختصر مختصر دسؔ دعائیں اور لکھتا ہوں، یہ سب بھی بڑی آسانی سے یاد ہوسکتی ہیں، پھر ان میں سے جو زیادہ دل کو لگے اُسی کو زیادہ پڑھے۔

(۱)

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"

(ترجمہ) اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، میں ظالموں خطاکاروں میں ہوں۔

(۲)

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ"

(ترجمہ) اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیری حمد کرتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

(۳)

"رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ"

(ترجمہ) پروردگار! بخشدے اور رحم فرما تو سب سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔

(۴)

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝"

(ترجمہ) اے مالک! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو بخشدیجئے جسدن کہ حساب کتاب ہو۔

(۵)

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ الرَّاحَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ"

(ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے موت کے وقت راحت کا، اور حساب کے وقت معافی کا سوال کرتا ہوں۔

(۶)

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ"

(ترجمہ) اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت مانگتا ہوں، اور تیری ناراضی سے، اور دوزخ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(۷)

"اَللّٰهُمَّ غَشِّنِي بِرَحْمَتِكَ وَجَنِّبْنِي عَذَابَكَ ۝"

(ترجمہ) اے اللہ! مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک لے، اور اپنے عذاب سے بچا دے۔

(۸)

"يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ"

(ترجمہ) اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کے تھامنے والے بس تیری رحمت ہی سے فریاد ہے۔

(۹)

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی ـــــ"

(ترجمہ) اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت کا اور تقوے کا، اور شرم و عار کی باتوں سے بچے رہنے کا، اور محتاج نہ ہونے کا۔

(۱۰)

"اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَسَھِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رِزْقِکَ"

(ترجمہ) اے اللہ! ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور رزق کی راہیں ہمارے لئے آسان کر دے۔

یہ سب چھوٹی چھوٹی دعائیں بھی بڑی آسانی سے یاد کی جاسکتی ہیں اور طواف میں پڑھی جاسکتی ہیں[1]

مناسک کی کتابوں میں طواف کے لئے جو خاص خاص دعائیں لکھی گئی ہیں اگر آپ ان ہی کو پڑھنا چاہیں، اور اُن ہی میں آپ کا زیادہ جی لگے تو پھر آپ اُن ہی کو پڑھیں۔ اس لئے ذیل میں ترتیب وار وہ بھی یہاں لکھے دیتا ہوں۔

حجر اسود کا استلام کر کے (یعنی حجر اسود کو بوسہ دے کے یا بجائے اس کے اپنا ہاتھ اُس تک پہنچا کے اور اس کو چوم کے یا اپنی ہتھیلیاں دُور ہی سے اُس کی طرف کر کے اور ان کو چوم کے) جب آپ طواف شروع کریں، اور بیت اللہ کے دروازہ کی طرف چلیں تو سب سے پہلے یہ دعا پڑھیں:۔

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ (صلے اللہ علیہ وسلم)

اے اللہ! میں تیرے گھر کا طواف کرتا ہوں تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے۔

[1] اس عاجز نے قرآن و حدیث سے منتخب کر کے ایسی ایسی چالیس مختصر و جامع دعائیں اپنی کتاب "اسلام کیا ہے؟" کے آخر میں لکھ دی ہیں، جن حضرات کو اور دعائیں یاد کرنے کا شوق ہو وہ وہاں دیکھ کر یاد کر لیں۔ اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ طواف کرتے ہوئے کتاب میں دیکھ دیکھ کر دعائیں پڑھی جائیں ۱۲ن۔

یہ دعا ملتزم کے سامنے چند قدم میں ختم ہو جائے گی، اور اتنی ہی دیر میں آپ بیت اللہ کے دروازہ کے سامنے پہنچ جائیں گے، اُس وقت آپ عرض کریں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا الْبَیْتَ بَیْتُكَ وَالْحَرَمُ حَرَمُكَ وَالْاَمْنَ اَمْنُكَ وَھٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ ۞ فَاَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ۞

اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے، اور یہ حرم تیرا حرم ہے، اور امن تیرا ہی دیا ہوا امن ہے، اور دوزخ کی آگ سے تیری پناہ پکڑنے والوں کی یہ جگہ ہے، پس تو اپنے کرم سے مجھے بھی دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اتنے میں آپ "رکنِ شامی" (بیت اللہ کے شمالی مشرقی گوشہ) کے قریب پہونچ جائیں گے، اُس وقت آپ عرض کریں:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ ۞

اے اللہ! شک اور شرک سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اختلاف و نفاق اور برے اخلاق سے بھی تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ پکڑتا ہوں کہ اپنے اہل و عیال اور اولاد و اموال میں میری واپسی کسی بُری حالت میں ہو

اب آپ "میزابِ رحمت" کے سامنے آجائیں گے، وہاں پہونچ کر آپ عرض کریں:۔

اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ وَلَا بَاقِیَ اِلَّا وَجْھُكَ وَاسْقِنِیْ مِنْ حَوْضِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) شَرْبَةً لَا اَظْمَأُ بَعْدَھَا اَبَدًا ۞

اے اللہ! قیامت کے جس دن میں تیرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اور تیری ذاتِ پاک کے سوا جب کوئی باقی نہ ہوگا، تو اُس دن مجھے اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیے اور اپنے نبی حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حوضِ کوثر سے مجھے ایسا پلائیے کہ اُس کے بعد کبھی بھی مجھے پیاس نہ ہو۔

پھر "رکنِ یمانی"* (بیت اللہ کے جنوبی مغربی گوشہ) پر جب آپ پہونچیں تو اس پر اپنے دونوں ہاتھ پھیریں اور اگر دونوں ہاتھ لگانا مشکل ہو تو صرف داہنا ہاتھ ہی پھیریں، اور خوب دل سے اُسوقت دُعا کریں:۔

---

* پھر رکنِ عراقی (یعنی بیت اللہ کے شمالی مغربی گوشہ) کے سامنے جب آپ پہنچیں تو دعا کریں: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْکُوْرًا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ — اے اللہ! میں دنیا اور آخرت میں تجھ سے معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔

پھر رکن یمانی سے "حجر اسود" کی طرف چلتے ہوئے عرض کریں:۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ؕ — اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی، اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا!۔

پھر جب آپ حجر اسود کے سامنے پہونچیں تو مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق پھر اس کا استلام کریں، یعنی اگر کسی کو تکلیف دیئے بغیر اور خود زیادہ تکلیف اٹھائے بغیر اُس کو چوم سکیں تو بڑھ کر ادب اور محبت سے چومیں، اور اگر اپنے ہاتھ ہی اُس تک پہونچا سکیں تو دونوں ہاتھ یا صرف داہنا ہاتھ اس کو لگا کر چوم لیں، اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو جیسے پہلے بتلایا جا چکا ہے دُور ہی سے حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کے اور اپنی ہتھیلیاں اُس کی طرف کر کے (اس طرح کہ اُس وقت اپنے ہاتھوں کی پشت اپنے چہرہ کے سامنے ہو) بس اپنے ہاتھ ہی چوم لیں۔

یہ بات خیال میں رکھنے کی ہے کہ طواف میں کانوں تک ہاتھ صرف شروع میں اُٹھائے جاتے ہیں اس لئے اب نہ اُٹھائیں۔ بعض لوگ ناواقفی کی وجہ سے ہر دفعہ اسی طرح ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔

طواف میں حجر اسود سے چل کر جب آپ حجر اسود تک پہونچے تو یہ طواف کا ایک چکر ہوا (جس کو شوط کہتے ہیں)۔ جب آپ ایسے سات شوط (چکر) کرلیں گے تو آپ کا ایک طواف پورا ہوگا۔ ساتویں چکر کے ختم پر بھی آپ کو حجر اسود کا استلام مذکورہ بالا طریقہ پر کرنا ہوگا۔ اس حساب سے ایک طواف میں حجر اسود کا استلام آٹھ دفعہ ہوگا۔

رکعتینِ طواف:۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ مقام ابراہیمؑ کی طرف آئیے اور اس وقت آپ کی زبان پر یہ آیت ہو "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" —— اگر سہولت سے مقام ابراہیم کے پیچھے جگہ مل جائے تو وہاں ورنہ آس پاس میں جہاں جگہ مل جائے وہیں طواف کی دو رکعتیں پڑھئے۔ ہر طواف کے ختم پر دو رکعت نماز

پڑھنا واجب ہے، اور اس کے لئے افضل جگہ مقامِ ابراہیم ہے۔ لیکن وہاں بڑی کشمکش رہتی ہے اور لوگ بڑی نادانی کرتے ہیں، اس لئے اگر وہاں اطمینان سے پڑھنے کا موقع نہ ہو تو اس کے قریب کہیں پڑھ لیں، ورنہ حطیم میں جاکر یا مطاف میں کہیں پڑھ لیں۔

ان دو رکعتوں کے ختم پر خوب خشوع خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں۔ اس موقع کیلئے بھی کوئی دُعا مقرر نہیں ہے۔ مناسک کی اکثر کتابوں میں اس وقت کے لئے ایک دُعا لکھی ہے جو حضرت آدم (علیہ السلام) کی طرف منسوب ہے۔ اس عاجز کے نزدیک یہ دُعا اپنے مضمون کے لحاظ سے یاد کرنے، اور یاد رکھنے کے لائق ہے۔ آپ کو اگر اس کے الفاظ یاد کرنے مشکل ہوں تو مضمون ہی محفوظ کرلیں، اور پھر اپنی ہی زبان میں اللہ سے مانگیں۔ دُعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ	اے اللہ تو میری سب چھپی کھلی باتیں جانتا ہے
فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ	اور میرے ظاہر باطن سے تو پوری طرح واقف ہے
فَأَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ	لہٰذا میری معذرت کو قبول فرمالے، اور میری سب
فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ	حاجتوں اور ضرورتوں کا تجھے علم ہے، لہٰذا
أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ	جو میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرمادے
وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهٗ	اور میرا سوال پورا کردے۔ اور تجھے میرے
لَا يُصِيْبُنِيْ إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَ	دل کی باتوں اور نفس کے چھپے ارادوں کی
رِضًا بِمَا قَسَمْتَ لِيْ يَا أَرْحَمَ	بھی خبر ہے، لہٰذا تو میرے گناہ معاف فرمادے۔
الرَّاحِمِيْنَ ؏	اے اللہ! اے ارحم الراحمین میں تجھ سے ایسا

ایمان چاہتا ہوں جو میرے دل میں اُتر جائے اور بس جائے، اور ایسا سچا یقین تجھ سے مانگتا ہوں جس کے بعد یہ حقیقت مجھ پر پوری طرح کھل جائے کہ صرف وہی حالت مجھ پہ آسکتی ہے جو تو نے میرے لئے لکھ دی ہے اور میرا دل اس پر بالکل راضی اور مطمئن ہو جائے جو تو نے اس کے لئے مقدر کر دیا ہے۔

ملتزم پر دُعا:۔

طواف کے بعد کے اس دوگانہ اور دُعا سے فارغ ہو کر ملتزم پر آیئے۔ حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے

درمیان دو ڈھائی گز کے قریب بیت اللہ شریف کی دیوار کا جو حصّہ ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے' یہ دُعا کی قبولیت کا خاص مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس سے رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اس طرح لپٹ جاتے تھے، جس طرح بچہ ماں کے سینہ سے لپٹ جاتا ہے۔ اگر موقع ملے (اور انشاء اللہ آپ کو موقع ملے گا) تو اُس سے لپٹ جایئے، اپنا سینہ اُس سے لگا دیجئے، اور کبھی داہنا اور کبھی بایاں رخسار اس پر رکھیئے اور خوب رو رو کر دُعائیں کیجئے، اور کچھ اُٹھا کر نہ رکھیئے، جو بھی دل میں آئے مانگیئے، جس زبان میں جی چاہے مانگیئے، اور یہ سمجھ کر مانگیئے کہ ربِ کریم کے آستانہ پر پہونچ گیا ہوں اور اس کی چوکھٹ سے لگا کھڑا ہوں، اور وہ میرے حال کو دیکھ رہا ہے، اور میری آہ وزاری سُن رہا ہے۔

اس موقع پر جہنم سے نجات اور جنّت میں بے حساب داخلہ کی دُعا ضرور کیجئے، اور اس دُعا کیلئے یہ مختصر الفاظ اگر یاد ہو جائیں تو یاد کر لیجئے:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اَعْتِقْ رِقَابَنَا مِنَ النَّارِ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝	اے اس قدیمی گھر کے مالک ہماری گردنوں کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کر دے، اور جنّت میں بلا حساب کے محض اپنے کرم اور اپنی بخشش سے ہمیں داخل کر دے

اور اگر آپ یاد کر سکیں تو اس موقع کے لئے یہ چند دُعائیہ جملے اس عاجز کو بہت محبوب ہیں:۔

اِلٰھِیْ عَبْدُكَ بِبَابِكَ فَقِیْرُكَ بِبَابِكَ سَائِلُكَ بِبَابِكَ مِسْكِیْنُكَ بِبَابِكَ ذَلِیْلُكَ بِبَابِكَ ضَعِیْفُكَ بِبَابِكَ ضَیْفُكَ بِبَابِكَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ۝	خداوندا! تیرا بندہ تیرے در پہ حاضر ہے، تیرا فقیر تیرے در پہ ہے، تیرا منگتا تیرے در پر ہے، تیرا مسکین تیرے دروازہ پر ہے، تیرا ذلیل بندہ تیرے دروازہ پر ہے، تیرا کمزور بندہ تیرے دروازہ پر ہے، تیرا مہمان تیرے دروازہ پر ہے، اے سب جہانوں کے پروردگار۔
اِرْحَمْنِیْ یَا مَوْلَایَ یَا مَوْلَایَ اَنْتَ الْغَفَّارُ وَاَنَا الْمُسِیْءُ وَھَلْ یَرْحَمُ الْمُسِیْءَ اِلَّا الْغَفَّارُ ـــــ مَوْلَایَ	رحم کر مجھ پر میرے مولا میرے آقا، تو بہت بخشنے والا ہے اور میں مجرم ہوں، اور بخشنے والا ہی مجرم پر رحم کرتا ہے ـــــ میرے مولا

مولائي أنت المالك وأنا المملوك
وهل يرحم المملوك إلا المالك
— مولائي مولائي أنت الرب
وأنا العبد وهل يرحم العبد
إلا الرب — مولائي مولائي
أنت الرازق وأنا المرزوق
وهل يرحم المرزوق إلا
الرازق — مولائي مولائي
أنت الكريم وأنا اللئيم وهل
يرحم اللئيم إلا الكريم
— مولائي مولائي أنت العزيز
وأنا الذليل وهل يرحم الذليل
إلا العزيز — مولائي مولائي
أنت القوي وأنا الضعيف و
هل يرحم الضعيف إلا القوي
— مولائي مولائي أنت الغفور
وأنا المذنب وهل يرحم المذنب
إلا الغفور ۔
اللهم إن ترحمني فأنت أهل
وإن تعذبني فأنا أهل فارحمني
يا أهل التقوى ويا أهل المغفرة
ويا أرحم الراحمين ۔ ويا
خير الغافرين ۔

میرے آقا، تو مالک ہے اور میں تیرا مملوک ہوں
اور مملوک پر اس کا مالک ہی رحم کرتا ہے
—— میرے مولا میرے آقا، تو میرا رب ہے
اور میں تیرا بندہ ہوں، اور بندہ پر اُس کا رب ہی
رحم کرتا ہی —— میرے مولا میرے آقا!
تو رازق ہی اور میں مرزوق ہوں، اور مرزوق
پر رازق ہی رحم کرتا ہی —— میرے مولا،
میرے آقا! تو کریم ہی اور میں لئیم ہوں، اور
لئیم پر کریم ہی رحم کرتا ہے ——
میرے مولا، میرے آقا! تو عزت و غلبہ والا ہے
اور میں ذلیل اور پست ہوں، اور ذلیل پر
عزت والا ہی رحم کرتا ہی ——
میرے مولا، میرے آقا! تو قوت والا ہی
اور میں کمزور ہوں، اور قوت والا ہی
کمزور پر رحم کرتا ہے ——
میرے مولا میرے آقا! تو بخشش والا ہی اور
میں گناہگار ہوں، اور بخشش والا ہی
گناہگار پر رحم کرتا ہے۔
خداوندا! اگر تو مجھ پر رحمت فرمائے تو یہ تیری شان کریمی
کے لائق ہی اور اگر تو مجھے عذاب دے تو بلاشبہ میں اسی
قابل ہوں، تو اے مولا میرے ساتھ تو اپنی شان کے
مطابق معاملہ فرما اور مجھ پر رحم کر اے تقویٰ کے قابل
اے مغفرت والے اے ارحم الراحمین اے خیر الغافرین۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ وَاِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ؕ	اے اللہ! تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، اور تو وعدہ خلافی کرنے والا نہیں۔
وَصَلِّ اَللّٰھُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّاتِهٖ وَاَھْلِ بَیْتِهٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی ؕ	اور اے اللہ! صلوٰۃ وسلام نازل فرما اپنے بندہ اور رسول حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر، اور اُن کے آل واصحابؓ اور ازواج وذریات پر، اور اُنکے سب گھر والوں پر۔

یہ بات پھر سُن لیجئے اور یاد رکھیے کہ یہ دعا، یا کوئی اور خاص دعا مقرر نہیں ہے، اصل بات وہی ہے کہ دل سے مانگیے، چاہے کسی زبان میں مانگیے، اور دنیا اور آخرت کی ہر ضرورت مانگیے! اپنے لئے مانگیے، اپنے والدین اور دوسرے اعزہ اور دوستوں اور محسنوں کے لئے مانگیے، اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پوری اُمت کے لئے مانگیے۔

زمزم شریف پر :۔

ملتزم پر دعا کر کے زمزم شریف پر آئیے اور قبلہ رو ہو کر بسم اللہ پڑھ کر تین سانس میں خوب ڈٹ کر آبِ زمزم پیجئے، اور الحمد للہ کہہ کر یہ دعا مانگیے!:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ۔	اے اللہ! مجھے علم نافع نصیب فرما اور وسعت اور فراخی کیساتھ روزی عطا فرما، اور ہر بیماری سے شفا دے۔

یہ نہ بھولیے کہ آپ نے تمتع کا ارادہ کیا ہے اور اس لئے میقات پر آپ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے، اور یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں عمرہ ہی کے سلسلہ میں کر رہے ہیں۔

عمرہ میں احرام کے بعد تین ہی کام کرنے ہوتے ہیں، ایک طواف، دوسرے صفا مروہ کے درمیان سعی،

اور اس کے ختم پر سر منڈانا یا کتروانا ـــــ طواف آپ کر چکے اب آپ کو سعی کرنا ہے جو مسجد حرام سے باہر صفا مروہ کے درمیان ہوتی ہے۔

صفا مروہ کے درمیان سعی :۔

اب آپ پھر حجر اسود پر آیئے اور اوپر بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق پھر اس کا استلام کیجئے اور صرف یہ استلام کر کے سعی کے لئے مسجد حرام کے دروازہ "باب الصفا" سے باہر نکلئے، نکلتے وقت بایاں قدم پہلے باہر رکھئے اور دعا کیجئے :۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ "

صفا پہاڑی کی سیڑھیاں (جہاں سے سعی شروع کی جاتی ہے) باب الصفا سے بالکل قریب ہیں دو چار منٹ کا راستہ بھی نہیں ہے۔ جب آپ صفا کے قریب پہونچیں تو بہتر ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اتباع میں آپ زبان سے کہیں :۔

"أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ "

پھر صفا کی سیڑھیوں پر چڑھ جایئے، زیادہ اوپر جانے کی ضرورت نہیں بس پہلی یا دوسری سیڑھی پر بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو جایئے، اُس وقت بیت اللہ شریف آپ کی نظر کے سامنے ہوگا۔ اب آپ دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اس طرح اُٹھا کے جس طرح دُعا میں اُٹھائے جاتے ہیں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیجئے، اور اس کی توحید بیان کیجئے ـــــ تیسرا کلمہ :۔

ـــــ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ"

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا بڑا جامع کلمہ ہے، اس لئے اسی کو تین دفعہ کہہ لیجئے ـــــ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس مُبارک اور مقدس مقام تک پہنچایا پھر خوب اطمینان سے دُعا کیجئے، اور یہاں بھی جو جی چاہے مانگیئے، پھر نیچے اتر کر مروہ کی طرف چلئے اگر آپ بالکل خاموش چلیں گے جب بھی سعی ادا ہو جائے گی، لیکن مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اس وقت کا ایک لمحہ بھی غفلت میں نہ گذاریئے، اور دل و زبان کو برابر ذکر اللہ اور دُعا میں مصروف رکھئے، اس وقت کے لئے بھی کوئی دُعا حتمی طور پر مقرر نہیں ہے۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے یہ مختصر دُعا منقول ہے

آپ بھی اس کو یاد کر لیجئے، اور سعی کے دوران میں اسی کو زیادہ ورد زبان رکھئے:۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ۔

اے پروردگار! بخشدے اور رحم فرما اور ہماری جو خطائیں تیرے علم میں ہیں اُن سے درگذر فرما تو بہت غالب اور بڑا طاقت ور بھی اور بڑا کریم ہے

صفا سے کچھ دور چل کر دائیں بائیں دو ہرے ستون نظر آئیں گے وہاں سے دوڑ کر چلئے، اس کے بعد پھر ایسے ہی دو ہرے ستون اور نظر آئیں گے وہاں پہونچ کر دوڑنا ختم کر دیجئے اور پھر مروہ تک اپنی چال سے چلئے۔ مروہ پر پہونچکر ایک دو سیڑھی چڑھ جائیے اور قبلہ رو ہو کر یہاں بھی اسی طرح دُعا کیجئے جس طرح صفا پر کی تھی ——— یہ سعی کا ایک پھیرا ہو گیا، پھر اسی طرح مروہ سے صفا تک سعی کیجئے، یہ دوسرا پھیرا ہو گیا۔ اسی طریقہ پر سات پھیرے پورے کیجئے، ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو گا۔ ہر پھیرے میں جب صفا یا مروہ پر پہنچا ہو تو وہاں قبلہ رو کھڑے ہو کر اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کیجئے۔ اور صفا مروہ ہی نہیں بلکہ ہر مقام پر اس یقین کے ساتھ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سُننے والے قبول کرنے والے ہیں، اُن کے خزانے میں سب کچھ ہے، وہ سب کریموں سے بڑے کریم ہیں، وہ مجھے اپنے کرم سے محروم نہیں رکھیں گے، اور میری دُعا اپنے کرم سے ضرور قبول فرمائیں گے۔

سعی کے بعد سر کے بال منڈوائیے یا کتروائیے:۔

سعی کے سات پھیرے کر کے آپ کی سعی بھی پوری ہو گئی، اب آپ اپنے سر کے بال منڈوا دیجئے یا کتروا دیجئے۔

لیجئے عمرہ پورا ہو گیا اور آپ کا احرام ختم ہو گیا، اب احرام کی کوئی پابندی نہیں رہی۔ نہائیے دھوئیے، سلے کپڑے پہنئے، خوشبو لگائیے، اب آپ کے لئے وہ سب چیزیں جائز ہو گئیں جو احرام کی وجہ سے ناجائز ہو گئی تھیں۔

حج سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام کے مشاغل:۔

اب انشاء اللہ حج کا احرام آپ آٹھویں ذی الحجہ کو باندھیں گے، اُس وقت تک آپ مکہ معظمہ میں

بغیر احرام کے رہیں گے، اس مدّت کے ہر منٹ اور سکنڈ کو غنیمت سمجھئے، فضول اور لایعنی مشاغل میں اپنے وقت کا کوئی حصّہ نہ گذاریئے۔

مکّۂ معظمہ کے اس زمانۂ قیام میں جہاں تک ہو سکے مسجد حرام ہی میں وقت زیادہ گذاریئے، نہ معلوم پھر کبھی عمر میں یہ سعادت میسر آئے نہ آئے۔ کثرت سے طواف کیجئے، خوب نفل نمازیں پڑھیئے، ذکر و تلاوت کے لئے بھی اس سے بہتر کون جگہ ہو سکتی ہے، اور اگر کسی وقت وہاں بیٹھنا بھی ہو تو محبت اور عظمت کیساتھ بیت اللہ شریف کو بار بار دیکھئے، رب العالمین کی یہ وہ تجلّی گاہ ہے جس کی طرف نظر کرنا بھی عبادت ہے اس کی عظمت و رفعت کا اندازہ بس اسی سے کیجئے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین سیّد الاوّلین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی اس کا طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے کا آپ کو حکم تھا، اور اب قیامت تک کے لئے وہی اور صرف وہی خدا پرستوں کیلئے واحد قبلہ ہے۔

نیز اس زمانہ میں بھی تبلیغ و تعلیم کے کام میں برابر حصّہ لیتے رہیئے۔ دین کی تبلیغ و تعلیم کا سلسلہ اسی مسجد حرام سے اور اسی مقدس شہر سے شروع ہوا تھا۔ اگر آپ کی کوشش اور تعاون سے یہاں پھر وہی تبلیغی اور تعلیمی فضا قائم ہو جاتی ہے تو یقیناً آپ کا یہ عمل اللہ کے نزدیک بہت محبوب اور بڑا وزنی ہوگا۔

آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام اور منیٰ روانگی:۔

حج کا احرام آپ اگرچہ آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے بھی باندھ سکتے ہیں، لیکن سہولت آپ کیلئے اسی میں ہے کہ آٹھویں ہی کی صبح کو باندھیں۔ جہاز میں احرام باندھنے سے پہلے آپ نے جس طرح غسل کیا تھا اُسی طرح اب بھی پہلے غسل کیجئے، اور کسی وجہ سے غسل نہ ہو سکے تو صرف وضو ہی کر کے ایک لنگی باندھ اور ایک چادر اوڑھ لیجئے، اس کے بعد مسجد حرام ہی میں پہلے دوگانۂ احرام پڑھیئے (اور جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے یہ دوگانہ سر ڈھک کر پڑھنا چاہیئے) پھر سلام پھیرتے ہی سر کھول کے حج کی نیت کرتے ہوئے تین دفعہ تلبیہ پڑھیئے:۔

"لبیك اللھم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك"

تلبیہ پڑھتے وقت یہ خیال کیجئے کہ میرے مالک اور پروردگار نے اب سے ہزاروں برس پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج کا جو بُلاوا دلوایا تھا، اور اپنے گھر کی حاضری کے لئے بلوایا تھا، میں یہ اُس کا جواب عرض کر رہا ہوں، اور اپنے مالک ہی سے عرض کر رہا ہوں، اور وہ سُن رہا ہے، اور میرے اس حال کو دیکھ رہا ہے۔

تلبیہ کے بعد جو جی چاہے دُعا کیجئے، لیکن اس موقع پر خصوصیت سے آپ کو یہ دُعا کرنی چاہیئے، کہ:۔

"اے اللہ! میں تیرے حکم کی تعمیل میں اور تیری رضا کے لئے اپنا ملک اور گھر بار چھوڑ کے تیرے در پہ حاضر ہوا ہوں، اور میں نے حج کا احرام باندھا ہے، تو اپنی خاص مدد و توفیق سے صحیح طریقہ پر میرا حج ادا کرا دے اور اپنے خاص کرم سے اس کو قبول فرما، اور حج کی خاص برکتوں سے مجھے سرفراز فرما۔ میں تجھ سے بس تیری رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں، اور دوزخ سے اور تیری ناراضی سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ مجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی اور عافیت نصیب فرما، اور میری ساری خطائیں معاف فرما۔"

بس نیت کر کے اور تلبیہ پڑھ کے آپ محرم ہو گئے اور احرام کی وہ ساری پابندیاں آپ پر پھر عائد ہو گئیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب آپ دسویں تاریخ کو قربانی کر کے جب سر منڈوا دیں گے یا بال ترشوائیں گے تو آپ کا احرام ختم ہو گا۔ اب آپ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، ذوق و شوق اور اللہ کی عظمت و محبت کے استحضار کے ساتھ تلبیہ کثرت سے پڑھتے رہیئے۔ عمرہ کے احرام کے بعد طواف شروع کرنے پر تلبیہ کا سلسلہ ختم ہوا تھا، اور اب حج کے اس احرام کے بعد دسویں تاریخ کو جب آپ جمرۃ العقبیٰ کی رمی کریں گے تو اُس وقت تلبیہ کا سلسلہ ختم ہو گا۔

اچھا آج آٹھویں تاریخ کو آپ نے حج کا احرام باندھ لیا، اب آج ہی آپ کو منیٰ جانا ہے۔ منیٰ مکہ معظمہ سے قریباً تین ساڑھے تین میل ہے، پیدل جانا بھی کچھ مشکل نہیں ہے، اگر ہمت کر سکیں تو بہتر یہی ہے کہ پیدل ہی جائیں، اور چونکہ اب مکہ معظمہ آپ کی مستقل واپسی بارھویں یا تیرھویں ذی الحجہ کو ہو گی، اس لئے ۴، ۵ دن گذارنے کا ضروری سامان بھی اپنے ساتھ لے لیں۔ منیٰ میں اچھا خاصا بازار ہوتا ہے، کھانے پینے کی وہ سب چیزیں وہاں مل جاتی ہیں جو مکہ معظمہ کے بازاروں میں ملتی ہیں، اس لئے ایسی چیزیں باندھ کے لے جانے کی ضرورت نہیں۔

ایک کارآمد نکتہ :-

منیٰ جاتے وقت، اور اسی طرح منیٰ سے عرفات، وہاں سے مزدلفہ، اور پھر وہاں سے منیٰ روانہ ہوتے وقت آپ یہ خیال کریں کہ میرا مولا اب مجھے وہاں بُلا رہا ہے، اور بس یہ خیال کر کے وہاں کو روانہ ہوا کریں۔ اگر یہ بات آپ کو نصیب ہو گئی تو انشاءاللہ اس چلت پھرت اور دوڑ بھاگ میں آپ بڑی لذت پائیں گے۔

منیٰ کے لئے سویرے ہی چل دیجئے تاکہ دھوپ میں تیزی آنے سے پہلے آپ وہاں پہنچ جائیں، اور اگر چاہیں تو مسجد خیف میں اچھی جگہ پا سکیں ——— ہاں غفلت نہ ہو راستہ میں شوق و ذوق سے تلبیہ پکارتے چلئے!-

۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں آپ کے مشاغل :-

آج منیٰ میں کوئی خاص کام آپ کو نہیں کرنا ہے بلکہ آج کا دن اور آج کی رات (یعنی آٹھویں ذی الحجہ کا دن اور آٹھویں اور نویں ذی الحجہ کی درمیانی رات) یہاں گذارنا ہی بس ایک عمل ہے۔ نمازوں کے وقت پر نمازیں پڑھئے، ذکر و تلاوت کیجئے، دُعائیں کیجئے، اور دوسروں کو ان اعمالِ خیر کی ترغیب دیجئے، تبلیغ اور دعوت کا کام کرنے والے اللہ کے بندوں کے ساتھ مل کر اس سعادتِ عظمیٰ میں بھی ضرور حصہ لیجئے، اور اُس وقت کو یاد کیجئے جب منیٰ کے اسی میدان میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کا پیام اور کلمہ لے کر یہاں جمع ہونے والے لوگوں میں پھرا کرتے تھے، اور اللہ کی طرف اور اُس کے دین کی طرف ان کو بُلایا کرتے تھے۔

نویں کی صبح کو عرفات روانگی :-

نویں ذی الحجہ کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد یہاں سے عرفات چلنا ہوگا، عرفات منیٰ سے قریباً چھ میل ہے۔ اللہ کے بہت سے بندے یہ راستہ بھی پیدل طے کرتے ہیں، بلکہ اس کا حق تو یہ ہے کہ سر کے بل طے کیا جائے۔ لیکن اگر آپ کو اپنے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ آپ پیدل گئے تو راستے تھک جائیں گے کہ

ذکر و دعا میں جو نشاط اور خوشدلی ہونی چاہیے خدانخواستہ وہ حاصل نہ ہو سکے گی، تو پھر آپ کیلئے بہتر یہ ہے کہ آپ سواری سے چلے جائیں۔ موٹروں والے صرف روپیہ دو روپیہ کرایہ لیں گے، اور آپ چند منٹ میں عرفات پہنچ جائیں گے۔

دیکھئے اس وقت بھی تلبیہ سے غفلت نہ ہو، راستہ میں پکارتے چلئے:۔

لبیك اللّٰھم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك

عرفات کا پروگرام:۔

عرفات پہونچکر اگر آپ اپنے لئے ضروری سمجھیں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ زوال سے پہلے کچھ دیر آرام بھی کرلیں، پھر جب زوال کا وقت قریب آئے اور آپ کو غسل کے لئے پانی مل سکے (اور اب بآسانی مل جاتا ہے) تو بہتر یہ ہے کہ غسل کرلیں، لیکن اس غسل میں جسم سے میل اُتارنے کی کوشش نہ کریں، بس سارے جسم پر پانی بہالیں۔ زوال ہوتے ہی مسجد نمرہ میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ جماعت سے ہوگی۔ اگر وہاں پہنچ سکیں تو پھر امام کے ساتھ آپ بھی دونوں نمازیں ساتھ پڑھیں، لیکن اگر کسی وجہ سے اس نماز میں شرکت نہ ہو سکے تو پھر ظہر کی نماز ظہر کے وقت پر اور عصر کی عصر کے وقت میں پڑھیں۔

عرفات کے یہ چند گھنٹے سارے حج کا نچوڑ ہیں، خدا کے لئے ان کا ایک لمحہ غفلت میں ضائع نہ کیجئے، یہاں کا خاص الخاص وظیفہ دُعا و استغفار ہے، لیکن ہم جیسے عوام کے لئے دیر تک دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ صرف دُعا میں مشغول رہنا اور اس میں توجہ الی اللہ کا قائم رہنا مشکل ہے، اس لئے اپنے ذوق کے مطابق ذکر و تسبیح تکبیر و تہلیل اور تلاوت کا بھی شغل رکھئے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفہ سے تلبیہ بھی کہتے رہیے، اور جب دُعا کرنی ہو تو اپنی بے بسی و حاجت مندی اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرت اور شان کُن فیکون کا استحضار کر کے اور زیادہ سے زیادہ الحاح اور انابت کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر کے اور عرفات میں حاضر ہونے والوں کے لئے مغفرت اور دُعاؤں کی قبولیت کے جو آلٰہی وعدے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اُن کو دل میں حاضر کر کے اور ان کی سچائی کا کامل یقین اپنے دل میں پیدا کر کے پہلے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور ہر طرح کے اور ہر منزل کے مواخذہ اور

عذاب سے نجات مانگئے، اور ہمت پڑسکے تو مغفرت بلا حساب کا سوال کیجئے، اپنی سیاہ کاریوں اور تباہ کاریوں کو یاد کر کرکے روئیے، خوب پھوٹ پھوٹ کے روئیے، اور آج رونے اور مانگنے میں کوئی کمی نہ کیجئے، دنیا اور آخرت کی اپنی سب ضرورتیں مانگئے، اللہ و رسولؐ کے بعد اس دنیا میں آپ کے ماں باپ آپکے سب سے بڑے محسن ہیں اُن کے لئے بھی خوب دُعائیں کیجئے، ان کے علاوہ اپنے اور محسنوں محبوں مخلصوں اور اعزہ و متعلقین کیلئے مانگئے، سب ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے مانگئے ——— اور اس سب کے علاوہ دین کی پھر سے سرسبزی اور سر بلندی اور اُس کے ساتھ اپنی اور اپنی نسلوں کی اور سب مسلمانوں کی گہری اور دائمی وابستگی خوب الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگئے - اس موقع پر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی عمر بھر کی اُن محنتوں کو نہ بھول جائیے جو دین کے پھیلانے اور بندوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنے کی راہ میں آپ نے فرمائیں ہمارا ایمان، ہماری نماز، ہمارا حج، اور ہمارا ہر دینی عمل اُس محنت و کاوش ہی کا پھل ہے" اس لئے خوب دل سے آپؐ کے لئے اور آپؐ کے آل و اصحابؓ اور ہر زمانہ کے دین کے خادموں کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے رحمت اور رفع درجات کی دعا کیجئے، بہتر ہے کہ یہی آپ کی دُعا کا خاتمہ ہو۔

عرفات میں اپنا ایک مشاہدہ :-

گذشتہ سال جب یہ سیاہ کار وہاں حاضر ہوا تو عرفات کے اسی میدان میں ایک شخص کو دیکھا کہ ظہر کے بعد سے وہ ایک جھاڑی کی آڑ لے کر اور اپنے رفیقوں سے بھی الگ ہو کر ریت کے ایک ٹیلے پر پڑگیا، ماثورہ دُعاؤں کی کوئی کتاب بھی اُس کے ساتھ تھی (مُلا علی قاری کی "الحزب الاعظم" ہوگی، یا مولانا تھانوی کی "مناجاتِ مقبول") کبھی بلبلا بلبلا کر اس کتاب سے دُعائیں پڑھتا تھا، کبھی کتاب ہاتھ سے رکھ کے اپنی زبان میں اپنی دینوی اور اُخروی حاجتیں اپنے ربِ کریم سے مانگنے لگتا تھا، کبھی سجدہ میں گر کے آہ و زاری کرتا تھا، ظہر و عصر کے درمیان غالباً کئی گھنٹے اُس کا یہی حال اور یہی شغل رہا - اُس کا تڑپنا بلبلانا اور بے تحاشا آنسوؤں کے بہنے سے اُس کی داڑھی اور احرام کی چادر تک کا تر بہ تر ہو جانا، اور الحاح و ابتہال کی ایک عجیب شان کے ساتھ اپنے کریم رب سے اُس کا مانگنا دیکھ کر یقین سا ہوتا تھا کہ جس رب کی صفت رحمان اور رحیم ہے، اور جو اپنی ذات سے جوّاد، وہّاب، اور کریم ہے، وہ اپنے در کے اس منگتا کو محروم واپس نہ کریگا۔

بہرحال عرفات کے میدان میں آج کے دن جس کو الحاح اور ابتہال کی کیفیت میسر آجائے یا اس قسم کی کسی کیفیت کے پیدا نہ ہونے پر جس کا دل ہی ٹوٹ جائے انشاء اللہ اُس کی کامیابی اور فائز المرامی یقینی ہے

—— یہاں بے اختیار یہ کہہ دینے کو جی چاہتا ہے کہ ان کیفیات کے حاصل ہونے کا عام ذریعہ اس دنیا میں ان کیفیات والوں کی محبت اور صحبت ہے۔ اس لئے بہتر ہو کہ حج کو جانے سے پہلے کسی صاحبِ دل کی خدمت و صحبت میں کچھ وقت گذار کے آپ جائیں۔ ؎

شو ہمدم پروانہ تا سوختن آموزی
با سوختگاں بہ نشیں شاید کہ تو ہم سوزی

اور الحمد للہ کہ ابھی اللہ کی یہ دنیا اللہ کے ایسے بندوں سے بالکل خالی نہیں ہوئی ہے۔

جبلِ رحمت کے قریب دُعا:۔

جب دھوپ ہلکی پڑجائے تو لبیک، لبیک پکارتے ہوئے "جبلِ رحمت" کی طرف جائیے، (جبلِ رحمت عرفات ہی میں وہ جگہ ہے جہاں حجۃ الوداع میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قیام فرمایا تھا، اور خطبہ ارشاد فرمایا تھا) یہاں بھی خوب دل کھول کے اپنے رب سے دُعائیں مانگیے۔

اپنی مغفرت کا یقین:۔

عرفات میں جمع ہونے والوں، دُعائیں مانگنے والوں، اور مغفرت چاہنے والوں کیلئے اللہ پاک کے بڑے بڑے کریمانہ وعدے ہیں، دل میں ان کا استحضار کرکے اور اُن کو یاد کرکے اُن پر یقین کیجئے، اور اپنے نفس کی گندگی اور شرارت اور عمر بھر کے گناہوں کی کثرت کے ذاتی علم کے باوجود اللہ کی غفاری اور کریمی کے بھروسہ پر یقین کرلیجئے کہ اُس نے آج آپ کے گناہوں کو معاف فرمادیا، اور آپ کیلئے مغفرت اور جنت کا فیصلہ کردیا —— یہ یقین اپنے دل میں پیدا کرکے اُس ربِ کریم کا شکر ادا کیجئے، اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کے اہلبیت اور رفقاء پر درود و سلام پڑھئے کہ انھیں کی رہنمائی اور سعی و کوشش نے آپ کو اللہ سے آشنا کیا، اور ملتِ ابراہیمی سے آپکا رشتہ جوڑا۔

لیجئے "وقوفِ عرفات" جو حج کا رکنِ اعظم ہے (اور اگر خدانخواستہ وہ فوت ہو جائے تو حج ہی فوت ہو جاتا ہے) الحمدللہ آپ کو نصیب ہو گیا۔

حج مبارک! آپ کے اخلاص و محبت سے اُمید کرنے کا اس عاجز کو حق ہے کہ اپنی دُعاؤں میں اس نامۂ سیاہ کو بھی آپ یاد رکھیں گے، تاہم مکرر گذارش ہے۔ ؎

"وقت پر بھول نہ جانا یہ ذرا یاد رہے"

عام ناظرین سے اس عاجز کی التجا:۔

حج کو جانے والے اللہ کے جن بندوں کی نظر سے یہ اوراق گذریں اُن سب سے بھی اس عاجز کی عاجزانہ التجا ہے کہ اس سیاہ کار کے لئے بھی موت کے وقت تک دین و ایمان پر ثابت و قائم رہنے اور دین کی جدوجہد سے وابستہ رہنے کی اور مرنے کے بعد مغفرت و جنت کی دُعا فرمائیں، بڑا احسان ہوگا ——— یہ حقیر فقیر آپ سب کی دُعاؤں کا بڑا محتاج ہے، اللہ صدقہ خیرات سمجھ کر ہی اس کو بھی اپنی دُعا و التجا کا کوئی حصہ عطا فرما دیں، کیا عجب کہ آپ ہی کی دُعا سے اس سیاہ کار کا بیڑا پار لگ جائے۔

عرفات سے مزدلفہ:۔

جب آفتاب غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھے بغیر یہ تصور کرتے ہوئے کہ اب میرا مولا مجھے مزدلفہ میں بُلا رہا ہے اور آج کی رات وہیں اس کی تجلیات کا نزول ہے، تلبیہ پکارتے ہوئے اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو جائیے۔ یہاں سے مزدلفہ تین میل کے قریب ہے۔ ——— مغرب بعد کے ٹھنڈے وقت میں یہ تھوڑی سی مسافت پیدل بھی آسانی سے طے ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس وقت آپ اپنے میں سُستی اور تھکن محسوس کریں تو پھر بہتر یہ ہے کہ لاری یا موٹر سے چلے جائیں تاکہ وہاں پہنچ کر نشاط اور جمعیت خاطر کے ساتھ ذکر و عبادت اور دُعا و استغفار میں مشغول رہ سکیں۔ ——— آج کے دن مغرب کی نماز عشا کے وقت میں عشا کے ساتھ ملا کر یہیں مزدلفہ پہنچکر پڑھی جاتی ہے۔

شبِ مزدلفہ کی فضیلت :-

مزدلفہ کی اسی رات کے متعلق قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے :-

فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ؕ　　جب تم عرفات سے واپس ہوکر مزدلفہ آؤ تو یہاں مشعر حرام کے پاس اللہ کے ذکر میں مشغول رہو

بتلایا گیا ہے کہ مزدلفہ میں رات کو رہنے والے حجاج کے حق میں یہ رات شب قدر سے افضل اور زیادہ قابلِ قدر ہے۔

صحیح روایات میں یہ بھی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عرفات میں اُمت کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ مانگا تھا، اور سوا ایک چیز کے اور تمام چیزوں کے متعلق قبولیت کی خوشخبری سنا کر آپ کو مطمئن کر دیا گیا تھا، لیکن مزدلفہ کی رات میں آپ نے اپنے رب کے پورے الحاح اور ابتہال کے ساتھ اُس چیز کا پھر سوال کیا، تو یہاں اُس کی بھی قبولیت کی خوشخبری آپ کو سنا دی گئی، اور آپ نہایت مسرور اور امت کے انجام سے مطمئن ہوئے، اور شیطان کو آپ نے دیکھا کہ آپ کی اس دُعا کی قبولیت پر سخت واویلا کر رہا ہے اور اپنے سر پر خاک ڈال رہا ہے۔

بہرحال اس رات کی عظمت اور قدر و قیمت کو یاد رکھئے۔ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ عرفات کے دن بھر کے تھکے ہارے یہاں پہنچ کر نیند سے مغلوب ہوکر پڑجاتے ہیں اور یہ رات سوتے ہی میں کٹ جاتی ہے، اس لئے آپ اس کا پورا اہتمام کیجئے کہ رحمت اور برکت والی یہ رات کہیں صرف نیند کی نذر ہو کے نہ رہ جائے ——— اگر جسم پر تھکن کا اثر زیادہ ہو اور طبیعت سونے کے لئے مضطر ہو تو پھر یہ بہتر ہوگا کہ یہاں پہنچ کر پہلے مغرب وعشا کی نماز پڑھ کے اور تھوڑی سی دیر اللہ کی تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تہلیل اور حمد و شکر کرکے اور اُس کے حضور میں دُعا اور توبہ و استغفار میں مشغول رہ کے کچھ وقت کے لئے شروع رات میں آپ سو جائیں اور پھر اُٹھ کر تہجد پڑھیں اور پھر فجر تک ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور پورے الحاح و ابتہال کے ساتھ یہاں بھی عرفات ہی کی طرح دُعا و استغفار کریں اور ربِ کریم سے خوب مانگیں، سر ہو کے، اور رو رو کے مانگیں۔ ان مقامات پر جو بندہ جتنا سر ہو کے اور جتنا بلبلا بن کے مانگے، اُس پر اتنا ہی ربِ کریم کا

پیار ہوگا ــــ قربان جائیے اس کرم کے کہ ان کو مانگنا اور سرہو کے مانگنا پسند ہے اور جو اُن سے جتنا مانگے اُتنا ہی ان کو اُس پر پیار آتا ہے۔ انہ بڑ جوادٌ کریم۔

اور جیسا کہ دوسرے مقامات کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا ہے، عرفات اور مزدلفہ کے لئے بھی کوئی مخصوص دُعا تعلیم نہیں فرمائی گئی ہے اس لئے دنیا اور آخرت کی اپنی ہر ضرورت مانگیے، اور ابھی ابھی عرفات کی دُعا کے سلسلہ میں جن چند چیزوں کی دُعا کا مشورہ عرض کیا گیا ہے اُس کو اِس جگہ بھی پیشِ نظر رکھیے۔

رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی ایک خاص دُعا:۔

جی چاہتا ہے کہ یہاں رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ایک خاص دُعا بھی لکھ دوں، یہ دُعا، اس لائق ہے کہ دل دماغ میں اس کو اچھی طرح محفوظ کرلیا جائے اور ہر خاص مقام اور موقع پر اللہ سے یہ دُعا مانگی جائے ــــ اللہ اکبر! کیسی درد بھری دُعا ہے اور اللہ کے حضور میں قلب کی شکستگی اور عبدیت کا کیسا مرقع ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَرٰى
مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ
وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ
وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ
الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُعْتَرِفُ
بِذَنْبِيْ اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ
وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ
الذَّلِيْلِ وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ
الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ
رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ
وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ

اے میرے اللہ! تو میری بات سنتا ہے، اور
جس جگہ اور جس حال میں میں ہوں وہ تیری
نظر میں ہے، اور میرا ظاہر و باطن سب تیرے
علم میں ہے، اور میری کوئی چیز بھی تجھ سے
پوشیدہ نہیں ہے، اور میں سختیوں اور دُکھوں
کا مارا ہوا ہوں، تیرے در کا فقیر ہوں، تیرے
ہی پاس فریاد لے کے آیا ہوں اور تجھ ہی سے
پناہ کا طالب ہوں، تیرا خوف اور ڈر مجھ پر
چھایا ہوا ہے، میں اپنے گناہوں کا اقراری
ہوں، میں تجھ سے بے کس اور بے وسیلہ
مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں، اور ایک

اَنْفُهٗ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ	ذلیل گنا ہگار بندہ کی طرح تیرے حضور میں
شَقِيًّا وَكُنْ لِيْ رَؤُفًا رَحِيْمًا۔ يَا	گڑگڑاتا ہوں، اور خوف زدہ اور دکھ درد
خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ ۔	میں مبتلا کسی بندہ کی طرح تجھ سے دعا کرتا ہوں،

اُس بندہ کی سی دعا جس کی گردن تیرے سامنے خم ہو، اور جس کے آنسو تیرے حضور میں بہہ رہے ہوں، اور جس کا جسم جھکا ہو، اور جو تیرے سامنے اپنی ناک رگڑ رہا ہو، اور زمین پر سر رکھے پڑا ہو۔ اے میرے اللہ! میری دعا کو رد کر کے مجھے شقی نہ بنا، اور مجھ پر مہربانی اور رحم فرما، اے سب سے اچھے سب سے بڑے داتا، اے خیر المسئولین۔

مختصر دعاؤں میں یہ دو دعائیں خاص طور سے اس لائق ہیں کہ یاد کر لی جائیں، اور ایسے موقعوں پر دل و زبان پر ان کو جاری رکھا جائے —— ایک :۔

"یَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ"

یہ مع ترجمہ کے پہلے بھی لکھی جا چکی ہے —— اور دوسری :۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ	اے میرے اللہ! تیری مغفرت میں میرے
ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتَكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ	گناہوں سے بہت زیادہ وسعت ہے اور
مِنْ عَمَلِيْ ۔	مجھے اپنے اعمال سے بہت زیادہ تیری رحمت

سے آسرا ہے

الغرض مزدلفہ کی اس رات میں بھی عرفات کے دن ہی کی طرح دعا و استغفار کا اہتمام کیجئے، آج کل اکثر لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں اور بظاہر بڑے خسارہ میں رہتے ہیں۔

مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی :۔

فجر کی نماز مزدلفہ میں اول وقت پڑھ لیجئے اور اس کے بعد سورج نکلنے کے قریب تک پھر اللہ کی تسبیح و تقدیس اور تکبیر و تہلیل اور حمد و ثنا میں اور دعا و استغفار میں مشغول رہیے، اور جب سورج نکلنے کا وقت بالکل قریب آجائے تو وہاں سے منیٰ کو روانہ ہو جائیے۔ منیٰ یہاں سے تین میل ہے،

صبح کے ٹھنڈے وقت میں یہ راستہ آسانی سے پیدل طے ہو سکتا ہے۔ روانگی کے وقت یہ تصور کیجئے کہ اب میرا مولا مجھے منیٰ بُلا رہا ہے اور اس کا حکم ہے کہ میں وہاں پہنچ کر رمی اور قربانی کروں۔ بہر حال یہ تصوّر کر کے اور شوق و محبت اور ہیبت و عظمت کی کیفیت اپنے پر طاری کر کے تلبیہ پڑھتے ہوئے اب یہاں سے منیٰ کو روانہ ہو جایئے، اور اچھا یہ ہے کہ رمی کیلئے کنکریاں بھی یہاں سے ہی چُن لیجئے۔

راستہ میں "وادیٔ محسّر" ایک نشیبی جگہ آئے گی، یہ وہ مقام ہے جہاں ابرہہ کا لشکر اللہ کے حکم سے ہلاک ہوا تھا، یہاں سر جھکائے اور خوف و دہشت کی حالت اپنے اوپر طاری کئے دوڑ کے نکل جایئے۔

منیٰ میں جمرات کی رمی :-

روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے ارادہ سے لے کر چلے اور منیٰ کی حدود میں پہنچے تو ایک جگہ شیطان سامنے آیا اور اُس نے اس ارادہ سے آپ کو باز رکھنے کی کوشش کی، حضرت ابراہیمؑ نے اُس مردود کے سات کنکریاں ماریں جس سے وہ زمین میں دھنس گیا، اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔ کچھ دُور چلے تھے کہ اللہ کا اور اللہ والوں کا وہ دشمن پھر سامنے آیا، اور اُس نے "ناصح مشفق" بن کر آپ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی سے روکنا چاہا، آپ نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں جس سے وہ دفع ہو گیا، آپ آگے چل دیئے۔ کچھ دُور کے بعد تیسری دفعہ وہ پھر نمودار ہوا اور پھر اُس نے ورغلایا، آپ نے پھر اس کو کنکریاں ماریں جس سے وہ پھر زمین میں دھنس گیا ـــــ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی یہ عاشقانہ ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے اس کی نقل بھی حج کا جزء بنا دی گئی ہے ـــــ جن تین جگہوں میں شیطان پر حضرت ابراہیمؑ نے سنگباری کی تھی اُن جگہوں پر بطور نشان کے تین ستون بنے ہوئے ہیں، اور حجاج اب ان نشانوں پر کنکریاں مارتے ہیں، اُن ہی نشانوں کو جمرات کہتے ہیں۔ منیٰ سے مکہ جاتے ہوئے سب سے آخر میں جو جمرہ آتا ہے وہ "جمرۃ العقبیٰ" کہلاتا ہے، اس سے پہلے والا "جمرۃ الوسطیٰ" کہلاتا ہے، اور جو اس سے بھی پہلے مسجد خیف کے قریب واقع ہے اُس کو "جمرۃ الاولیٰ" کہا جاتا ہے۔

پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف "جمرۃ العقبیٰ" کی رمی کی جاتی ہے، اس کے بعد گیارہویں

اور بارھویں اور تیرھویں کو تینوں جمروں کی رمی ہوتی ہے۔

رمی جمرات کے متعلق اس مجمل یادداشت کو ذہن میں رکھ لیجئے، اور اب مزدلفہ سے منیٰ پہنچکر آپ کو جو کچھ اور جس ترتیب سے کرنا ہوگا اُس کو سُنئے:۔

دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی:۔

اگر آپ پیدل بھی گئے تو قریباً سوا گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں آپ منیٰ پہنچ جائیں گے وہاں پہنچ کر آپ سب سے پہلے جمرۂ عقبیٰ کی رمی کیجئے، سات کنکریاں ہاتھ میں لیکر جائیے اور اس ستون سے ڈھائی تین گز کے فاصلہ پر اس طرح کھڑے ہو کے کہ منیٰ آپ کے داہنی جانب ہو اور مکہ بائیں جانب، انگوٹھے اور انگشت شہادت سے پکڑ کے سات دفعہ میں سات کنکریاں اس پر ماریئے اور ہر کنکری مارتے وقت کہئے:۔

"بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ رَغْماً لِلشَّیْطَانِ وَ رِضیً لِلرَّحْمٰنِ۔"

(میں اللہ کا نام لے کر مارتا ہوں، اللہ بہت بڑا ہے، سب سے بڑا ہے۔ میں یہ کنکری مارتا ہوں شیطان کو ذلیل کرنے اور جلانے کیلئے، اور نہایت رحمت والے اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لئے)۔

اگر یہ پورے کلمات یاد نہ ہوں تو صرف "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ہی کنکریاں ماریئے۔[1]

تلبیہ ختم:۔

تلبیہ جو آپ ابتک برابر پڑھ رہے تھے اس رمی پر اُس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، اب دوسرے اذکار (تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل وغیرہ) سے اپنی زبان تر رکھئے! لبیک لبیک پکارنے کا اب آپ کو حُکم نہیں رہا۔

آج کے دن بس اسی ایک جمرہ (جمرۃ العقبیٰ) کی رمی کا حکم ہے، اور زوال کے وقت سے پہلے اس کا کر لینا افضل ہے۔

قربانی:۔

رمی سے فارغ ہو کر سیدھے منحر یعنی قربان گاہ جایئے۔ آپ نے حج تمتع کیا ہے، اس کے شکر میں

---

[1] کنکری ماننے کی صحیح جگہ ستونوں کے نیچے کا حصہ ہے، اور جو حصہ ہے وہ تو دراصل نشان کیلئے اونچا کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

ایک قربانی آپ پر واجب ہے۔ (اسی طرح حجِ قران کرنے والوں پر بھی یہ قربانی واجب ہے، البتہ حجِ افراد کرنے والے پر واجب نہیں ہے، اس کے حق میں صرف مستحب ہے)۔

منٰی میں لاکھوں (بلا مبالغہ لاکھوں) دنبے، مینڈھے، بھیڑیں، بکریاں، گائیں، اونٹ، اونٹنیاں آپ دیکھیں گے۔ اپنی پسند اور وسعت کے مطابق دیکھ کے خرید لیجئے اور قربانی کیجئے۔

حلق یا قصر:-

قربانی کے بعد سر منڈوا لیجئے یا بال ترشوائیے (لیکن منڈوانا افضل ہے[1])۔

لیجئے اب آپ کا احرام گویا ختم ہو گیا، اب آپ کو سلے کپڑے پہننے، نہانے دھونے اور خوشبو لگانے وغیرہ کی آزادی ہے۔ البتہ بیوی سے ہمبستر نہ ہونے کی پابندی ابھی آپ کے لئے باقی ہے اور جب آپ طواف زیارت کر لیں گے تو یہ پابندی بھی ختم ہو جائے گی۔

طواف زیارت اور صفا مروہ کی سعی:-

حج کے دو ہی اہم رکن ہیں ایک "وقوف عرفہ" ـــــ دوسرے "طواف زیارت" ـــــ یہ طواف اگرچہ بارھویں تاریخ کی شام تک بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ آج ہی کر لیجئے!۔

جب آپ نے قربانی سے فارغ ہونے کے بعد بال منڈوا یا ترشوا لئے تو اب خواہ نہا دھوکے اور سلے کپڑے پہن کے، اور خواہ احرام ہی باندھے ہوئے (یہ خیال کر کے کہ اب میرا مولا مجھے اپنے گھر کے طواف کیلئے بلا رہا ہے، اور میرے لئے اس کا حکم اسوقت یہ ہے کہ مکہ پہنچ کے میں اُس کے گھر کا طواف کروں، پورے ذوق شوق کے ساتھ) مکہ معظمہ روانہ ہو جائیے، اور مسجد حرام میں داخلہ کا اور طواف کا جو طریقہ پہلے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اُسی کے مطابق اور اُن ہی آداب و کیفیات کے ساتھ مسجد حرام میں پہنچکر طواف کیجئے، اور چونکہ آپ کو اس طواف کے بعد صفا مروہ کی سعی بھی کرنی ہو گی اسلئے عمرہ والے

---

[1] عورتوں کے لئے بال منڈانا یا ترشوانا ناجائز ہے، اُن کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ چوٹی کا سرا پکڑ کے صرف ایک انگل بال ترشوا دیں، یا خود تراش دیں۔ ۱۲

پہلے طواف کی طرح اس طواف میں بھی اضطباع اور پہلے تین چکروں میں رمل بھی کیجئے!۔

طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیمؑ کے پیچھے یا اس کے قریب میں حسب سابق دوگانۂ طواف پڑھئے، ملتزم سے چمٹ کر دُعا کیجئے، زمزم شریف پر پہنچکر پانی پیجئے اور دُعا مانگئے، پھر حجر اسود کا استلام کر کے باب الصفا سے نکل کر صفا پر جائیے اور پہلے لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق صفا مروہ کے سات پھیرے کیجئے، اور ہر پھیرے میں جب صفا یا مروہ پر پہنچنا ہو تو قبلہ رو ہو کر اطمینان سے دُعا مانگئے۔ خصوصاً سعی شروع کرتے وقت پہلی دفعہ صفا پر اور آخری پھیرے میں مروہ پر پورے خشوع خضوع کے ساتھ اور دیر تک اللہ کی حمد وثنا کیجئے اور خوب الحاح اور ابتہال کے ساتھ اُس سے دعائیں مانگئے! ــــ اور جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے سعی کے دوران میں بھی برابر ذکر و دعا میں مشغول رہیئے:۔

"رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ"

لیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اب آپ طواف زیارت اور اس کے بعد والی سعی سے بھی فارغ ہو گئے، اب احرام کی کوئی بھی پابندی آپ کے لئے باقی نہیں رہی۔

پھر منیٰ کو روانگی:۔

اس طواف وسعی سے فارغ ہو کر آپ اب پھر سیدھے منیٰ چلے جائیے، کل اور پرسوں یعنی گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو وہاں تینوں جمروں کی آپ کو رمی کرنی ہوگی، بلکہ افضل یہ ہے کہ تیرھویں کو بھی آپ وہاں رہیں، اور اُس روز بھی بعد زوال تینوں جمروں کی رمی کر کے مکہ معظمہ واپس ہوں۔

۱۱-۱۲-۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام اور رمیِ جمار:۔

کم از کم دو دن (گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو) منیٰ میں ٹھہر کے تینوں جمروں کی رمی کرنا تو آپ کیلئے ضروری ہے، اور افضل یہ ہے کہ تیرہ کو بھی ٹھہریں اور اس روز بھی رمی کر کے مکہ معظمہ واپس آئیں۔ اِن تینوں دن تینوں جمروں کی رمی زوال کے بعد اور غروب آفتاب سے پہلے سنت ہے۔ تینوں دن رمی کی ترتیب یہ رہے گی کہ منیٰ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے جو پہلا جمرہ پڑتا ہے (جس کو جمرۃ الاولیٰ کہتے ہیں)، پہلے اس کی رمی کی جائے گی، اس کے بعد اس سے بعد والے جمرہ (جمرۃ الوسطیٰ) کی، اور اس کے بعد

آخری جمرہ (جمرۃ العقبیٰ) کی۔ رمی کا طریقہ بالکل وہی ہوگا جو پہلے دسویں تاریخ کی رمی کے سلسلہ میں لکھا جا چکا ہے، البتہ ایک ذرا سا فرق یہ ہوگا کہ دسویں تاریخ کو صرف "جمرۃ العقبیٰ" کی جو رمی آپ کریں گے اس کے بعد دُعا نہیں کریں گے، اور ان تین دنوں میں پہلے اور دوسرے جمرہ کی رمی کے بعد دُعا کرنی چاہیے، لیکن آخری جمرہ کی رمی کے بعد ان تین دنوں میں بھی دُعا نہیں کی جائے گی۔

رمی جمار کے بعد دُعا کی اہمیت :۔

اپنی ناواقفی اور معلّموں کے نہ بتلانے کی وجہ سے جن چند چیزوں میں اکثر بیشتر حجاج کوتاہی کرتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رمی کے بعد دُعا بالکل نہیں کرتے، حالانکہ پہلے اور دوسرے جمرہ کی رمی کے بعد چند قدم آگے بڑھ کے قبلہ رو کھڑے ہو کر اطمینان سے اور دیر تک دُعا کرنی چاہیے، یہ موقع بھی اُن مواقع میں سے ہے جہاں دُعا کی قبولیت کی خاص اُمید ہے۔

منیٰ کے ان دنوں میں آپ کے مشاغل :۔

ان دنوں میں متعین کام تو صرف دو ہی ہیں، ایک منیٰ میں رہنا، خاصکر رات وہیں گذارنا ——— اور دوسرے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق رمی کرنا ——— باقی اوقات بھی آپکے غفلت میں اور فضولیات میں ہرگز صرف نہ ہونے چاہئیں ——— یوں تو مومن کی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور قیامت میں ہم کو اپنی عمر کے ایک ایک منٹ کا حساب دینا ہے، لیکن خاصکر یہ سفر اور اُس کے بھی یہ خاص ایام! اللہ تعالیٰ اگر ایمانی فہم و فراست نصیب فرمائے اور بندہ ان دنوں کی قدر کرے تو بلا مبالغہ ان دو چار دنوں میں لاکھوں برس کی کمائی ہو سکتی ہے ——— نمازیں اہتمام سے پڑھئے! ذکر و دُعا اور توبہ و استغفار سے اپنے اوقات کو معمور رکھیئے! ——— اور حقیقی ایمان اور عبدیت والی زندگی کی وہ متاع جو تمام دنیا کو اس ارضِ پاک ہی سے ملی تھی اور جس کو خود مسلمان اب گم کر چکے ہیں اس کا پیام اور اس کی دعوت لے کر حجاج کے خیموں خیموں پھریئے۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے اگر آپ اُن تک یہ پیام نہ پہنچا سکیں تو بھی ہندوستان و پاکستان ہی کے جو بیسوں ہزار مسلمان ان دنوں یہیں منیٰ ہی کے اس محدود میدان میں مقیم ہوں گے اُن تک تو انشاء اللہ آپ یہ دعوت پہنچا ہی سکیں گے

اگر آپ کی اس سعی و کوشش سے دو چار سینوں میں بھی یہ چراغ روشن ہو گیا تو یقین کیجئے کہ آپ نے بہت بڑی کمائی کر لی، اور اگر بالفرض کسی ایک کو بھی آپ متاثر نہ کر سکے تو بھی اپنی سعی و کوشش کے آپ پورے اجر کے مستحق ہو گئے۔

منیٰ میں دینی دعوت کی سنت کا احیاء:۔

منیٰ میں دین کی دعوت کی یہ سنت معلوم نہیں کب سے مردہ تھی، اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی بے انتہا نعمتوں سے نوازے تبلیغی کام کرنے والے اپنے ان بندوں کو جنھوں نے گذشتہ دو تین سال سے اس طرف خاص توجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ملک کے مسلمانوں میں اس کام کی عظمت و اہمیت اور ضرورت کا احساس پیدا کرے، اور جلدی وہ دن آئے کہ ہر ملک کے مسلمان تبلیغی وفود اور جماعتوں کی شکل میں منیٰ میں خیمہ خیمہ پھرا کریں، اور راتوں کو اس مقصد کے لئے اللہ کے سامنے رویا کریں ـــــ یہ کام جس طرح ہونا چاہئے اگر اُس طرح ہونے لگے تو صرف منیٰ کے ان تین دنوں کی محنت سے سارے عالم اسلامی میں ایک نئی زندگی اور نئی رُوح انشاء اللہ پیدا ہو سکتی ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

بہرحال اس عاجز کا جناب کو یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس کام کو نفلی اذکار و عبادات سے افضل یقین کر کے ضرور اس میں پورا حصہ لیں۔ اس کام کے ساتھ اور اس کے ضمن میں اللہ کا جو ذکر ہو گا انشاء اللہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں اُس ذکر سے بہت زیادہ ہو گا جو اس کام سے بے تعلق رہ کر ہو۔

بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ گذشتہ سال جب اس عاجز کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تھی، تو اپنی ایک مخصوص حالت کی وجہ سے میں اس کام میں بہت کم حصہ لے سکا تھا، لیکن اب مجھے اس پر افسوس ہے، اور اس تجربہ کے بعد اور اس کی تلافی ہی کی نیت سے میں اس قوت کے ساتھ آپ کو یہ مخلصانہ مشورہ دے رہا ہوں۔

حج قران اور افراد:۔

ایک ضروری بات عرض کرنے سے رہ گئی، خیر اُس کو اب عرض کرتا ہوں۔ میں نے اِس خط کے ابتدائی صفحات میں لکھا تھا کہ حج کی تین صورتیں ہیں۔ تمتع ـــ قران ـــ افراد۔

میں نے جو صورت گزشتہ صفحات میں لکھی ہے یہ حج تمتع کی صورت ہے۔ چونکہ آپ کے لئے میں نے اسی کو مناسب سمجھا، اور (اکثر لوگوں کے لئے وہی آسان اور بہتر ہے) اس لئے تفصیل سے میں نے اُس کو لکھ دیا ہے۔ اس میں، اور باقی دونوں صورتوں (قران اور افراد) میں معمولی سا فرق ہے۔

قران اور تمتع میں تو یہ فرق ہے کہ تمتع میں میقات پر صرف عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے اور مکہ معظمہ پہنچ کے عمرہ کر کے احرام کھول دیا جاتا ہے، اور حج کے لئے پھر وہیں سے دوسرا احرام باندھ لیا جاتا ہے ـــــ اور قران میں میقات پر عمرہ اور حج دونوں کا احرام ساتھ باندھا جاتا ہے، اور اسی ایک احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت ہوتی ہے، چنانچہ قارن مکہ معظمہ پہنچ کے عمرہ کرتا ہے لیکن عمرہ کا طواف اور سعی کر لینے کے بعد وہ بال نہیں منڈواتا بلکہ اسی طرح احرام کی حالت میں رہتا ہے، یہاں تک کہ آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے منیٰ جاتا ہے اور آگے اس کا سارا پروگرام بھی وہی ہوتا ہے جو تمتع کرنیوالے حاجی کا ہوتا ہے۔

اور افراد کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میقات پر صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے اور اُس احرام سے بس حج ہی کیا جاتا ہے۔ حج سے پہلے عمرہ نہیں کیا جاتا۔ افراد کرنے والا حاجی بھی جو احرام میقات پر باندھتا ہے وہ حج سے پہلے نہیں کھلتا، اور دسویں تاریخ کو جمرہ عقبیٰ کی رمی کرنے تک احرام کی ساری پابندیاں اس پر عائد رہتی ہیں[1] ـــــ ان تینوں صورتوں کے حج کے اعمال اور پروگرام میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ـــــ اگر ضرورت پڑے تو اس سے زیادہ تفصیل مناسک کی کسی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

منیٰ سے مکہ معظمہ واپسی اور چند روزہ قیام :۔

جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں ۱۲ ذی الحجہ کو زوال کے بعد رمی کر کے اگر آپ چاہیں تو مکہ مکرمہ واپس ہو سکتے ہیں لیکن افضل یہ ہے کہ ۱۳ کو بھی رمی کریں، اور اس کے بعد مکہ معظمہ واپس آئیں ـــــ لیجئے اللہ کا شکر ادا کیجئے، اُس نے آپ کا حج بالکل پورا کرا دیا، اب حج کے سلسلہ کا کوئی خاص کام آپ کے ذمہ باقی نہیں رہا ہے، اور ہے تو بس اتنا کہ جب آپ مکہ معظمہ سے رخصت ہونے لگیں تو ایک رخصتی طواف کر کے جائیں، اس کے سوا اب آپ سے شریعت کا کوئی خاص مطالبہ نہیں ہے، اس لئے آپ چاہیں تو آج ہی مکہ معظمہ سے روانہ ہو سکتے ہیں لیکن نہ آپ اتنی عجلت کریں گے اور نہ اتنی جلدی آپ کی روانگی کا کوئی انتظام ہی ہو سکے گا، اس لئے لا محالہ

---

[1] حج بدل والوں کو ہمیشہ افراد ہی کرنا چاہئے اور اگر قران کرنا ہو تو بھیجنے والے سے صراحۃً اجازت لے لی جائے ۱۲۔

آپ کو ابھی مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا ہو گا ـــــ ٹھہریئے اور پوری خوشدلی سے ایک ایک دن کو غنیمت اور اللہ کی نعمت سمجھ کے ٹھہریئے ـــــ (بعض لوگوں کو دیکھا کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد جانے کے لئے اتنے بیتاب اور بیقرار ہوتے ہیں کہ انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ سے جتنے دنوں مجبوراً ان کو ٹھہرنا پڑتا ہے اُس زمانہ کے ایک ایک دن کو وہ مصیبت سمجھتے ہیں اور سخت بددلی اور شکووں شکایتوں کے ساتھ وہ یہ ایام گذارتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، یہ بڑی بُری علامت ہے) ـــــ اگر بالفرض روانگی کا انتظام ہو جائے تو جلدی جانے میں کوئی حرج نہیں، اور اپنے احوال و مصالح کے مطابق جلد روانگی کی کوشش میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اللہ کے مقدس اور محترم شہر سے دل کا اُچاٹ ہونا اور معاذ اللہ بددلی کی کیفیت کا پیدا ہو جانا بہت بُری حالت کی نشانی ہے ـــــ مومن کا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ برسوں رہ کے جی نہ بھرے اور دل سے یہی آواز آتی رہے سہ

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جانِ مضطر
کہ مبادا بارِ دیگر نہ رسی بدیں تمنا

مکہ معظمہ میں اب آپ کے مشاغل :-

بہرحال اب جتنے دنوں آپ کو مکہ معظمہ ٹھہرنا ہو پوری خوشدلی سے رہیئے، اور اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر ادا کیجئے کہ اُس نے آپ کو یہ موقع نصیب فرما رکھا ہے۔

دن میں اور رات میں جتنے ہو سکیں روز نفلی طواف کیجئے، تنعیم یا جعرانہ جا جا کر اور وہاں سے احرام باندھ کے نفلی عمرے کیجئے، اپنی طرف سے، اپنے والدین کی طرف سے اپنے خاص محسنوں اور محبوبوں کی طرف سے، غرض جس کی طرف سے دل چاہے کیجئے۔ مسجد حرام میں نفل نمازیں پڑھیئے، عمر بھر ہزاروں میل کے فاصلہ سے جس کعبہ کی طرف منہ کر کے غائبانہ نمازیں اب تک پڑھتے رہے ہیں، اور آئندہ بھی اگر زندگی رہی تو یونہی انشاء اللہ پڑھتے رہیں گے، اب اللہ نے موقع دیا ہے کہ اُس کے بالکل سامنے اور اس کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو کے نمازیں پڑھیں، اس لئے عمر بھر کی حسرت نکال لیجئے، جس کعبہ کے گرد حضرت ابراہیم سے لیکر خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تک نہ معلوم کتنے سو یا کتنے ہزار انبیاء (علیہم السلام) نے، اور اُن کے بعد سے اب تک نہ معلوم کتنے لاکھ اور کتنے کروڑ اولیاء اللہ نے طواف کئے، اور ان طوافوں میں جنت سے اُتارے ہوئے جس پتھر (حجر اسود) کو بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ بوسے دیئے، اور جہاں جہاں انھوں نے نمازیں پڑھیں (اور یقیناً کعبۃ اللہ کے ارد گرد کی بالشت بھر زمین بھی ایسی نہیں جس پر انبیاء علیہم السلام

اُن کے اصحابِ کرام یا اولیاءِ عظام میں سے کسی کی پیشانی نہ ٹکی ہو)۔ اب اللہ نے آپ کو موقع دیا ہو کہ چاہیں تو دن رات اللہ کے اُس مقدس بیت کا طواف کریں، حجرِ اسود جو اس دنیا میں "یمین اللہ" (اللہ کے مقدس ہاتھ) کے گویا قائم مقام ہے، اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جس کو رو رو کر چوما کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کو موقع نصیب فرمایا ہے کہ آپ بھی اُس کو چومیں، اور اس پر آنسو بہائیں۔ اور جس ملتزم سے (یعنی کعبہ کے جس حصّہ سے) چمٹ کر، اور اپنے رخسارِ مبارک اس پر رکھ رکھ کے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) دُعائیں کیا کرتے تھے، اب آپ کے لئے بھی موقع ہے کہ چاہیں تو دن میں کئی کئی دفعہ اُس سے چمٹ چمٹ کر روئیں اور دُعائیں کریں — اسی طرح حطیم میں (جو دراصل کعبۃ اللہ ہی کا ایک حصّہ ہے) اور مطاف میں جہاں کھڑے ہو کر چاہیں نمازیں پڑھیں، یا مسجد حرام میں بیٹھے بیٹھے کسی وقت اللہ کے گھر کو عظمت اور محبت کی نظروں سے دیکھا ہی کریں — غرض یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو مکہ معظمہ سے چلے جانے کے بعد آپ کو کبھی نصیب نہ ہو سکیں گی، اس لئے موقع کو غنیمت جانیئے اور اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کو جس قدر لوٹ سکیں لوٹیئے۔ ؎

مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے
بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ اسی زمانۂ قیام میں دینی دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی حصّہ لیتے رہیئے، اور اس کام کے کرنے والوں کے ساتھ پورا تعلق اور تعاون رکھیئے! آپ کی ذاتی عبادات سے دعوت کے کام میں طاقت اور برکت اور نورانیت پیدا ہوگی، اور دعوت اور دین کی جدوجہد چونکہ انبیاء علیہم السلام کی خاص میراث ہے، اور اللہ کے یہاں بہت ہی محبوب اور مقبول عمل ہے، اس لئے اُمید ہے کہ دعوت کے کام میں آپ کی شرکت کی برکت سے آپ کی یہ ذاتی عبادات انشاء اللہ زیادہ محبوب اور زیادہ مقبول ہو جائیں گی۔

بیت اللہ کا داخلہ:-

ایامِ حج میں کسی کسی دن گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے بیت اللہ شریف کا دروازہ بھی مشتاقانِ زیارت کیلئے کھولا جاتا ہے، اور اگرچہ یہ داخلہ زیادہ سے زیادہ مستحب درجہ کا عمل ہے، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اسکی وجہ سے کسی معصیت اور منکر کا ارتکاب نہ ہو، لیکن عام حجاج دینی ناواقفی اور دینی ناتربیتی کی وجہ سے اس کے انتہائی درجہ میں شائق ہوتے ہیں، اور خدا کی پناہ کہ شریعت کے احکام اور اللہ کی رضامندی اور ناراضی سے

گویا بالکل بے پرواہو کر اپنا یہ شوق پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ پر بھی اس شوق کا غلبہ ہو، اسلئے عرض کئے دیتا ہوں کہ لے دے کے داخل ہونا درست نہیں ہے، علیٰ ہذا عام طور سے لوگ جیسی کشمکش اور دھینگا مشتی سے داخل ہوتے ہیں وہ بھی سخت بے ادبی ہے، اس لئے ان برائیوں کے ساتھ داخل ہونے کی تو ہرگز کوشش نہ کیجئے گا — البتہ اگر اللہ تعالیٰ ایسی کوئی صورت پیدا فرما دیں کہ ان برائیوں سے محفوظ رہتے ہوئے آپ اندر جا سکیں تو نعمت اور سعادت سمجھ کر جائیں اور ان چند باتوں کا خیال رکھیں — بہت خشوع خضوع کے ساتھ اور اللہ کی عظمت وہیبت دل میں لئے ہوئے داخل ہوں، "بسم اللہ" کہہ کے پہلے داہنا پاؤں اندر رکھیں اور عرض کریں "اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک"۔ نظر نیچی رکھیں، اوپر کی جانب اور ادھر ادھر نہ دیکھیں کہ یہ ادب کے خلاف ہے — دروازہ سے داخل ہو کر سیدھے آگے کی طرف چلیں اور سامنے والی دیوار جب قریباً دو ڈیڑھ گز رہ جائے تو وہاں کھڑے ہو کے دو رکعت یا چار رکعت نفل نماز پڑھیں اور دعا مانگیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسی جگہ نماز ادا فرمائی تھی۔ اور اگر معصیات ومنکرات سے بچ کر داخلہ کی صورت نہ ہو تو پھر داخل نہ ہونے میں اللہ کی رضا سمجھیں، اور دل کی چاہت کے باوجود اندر نہ جائیں۔ عبدیت اور محبت کا یہی تقاضا ہے۔ ؎

میل من سوئے وصال ومیل او سوئے فراق
ترک کارِ خود گرفتم تا برآید کارِ او

صحیح روایات کی بنا پر حطیم کعبہ ہی کا جز ہے، اس میں نماز پڑھنا اور دعا کرنا گویا کعبہ ہی میں نماز پڑھنا اور دعا کرنا ہے، لہٰذا اسی پر قناعت کریں۔

خاص مقامات میں دُعا کے متعلق ایک آخری مشورہ :-

حج کے سلسلہ میں جو کچھ آپ کے لئے لکھنے کا ارادہ کیا تھا اُس سے بہت زیادہ لکھا گیا، جی چاہتا ہے کہ خاص مقامات میں دُعا کے متعلق ایک آخری مشورہ اور عرض کردوں اور حج کا بیان اسی پر ختم کردوں۔

اس عریضہ سے آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ مکہ معظمہ میں مطاف، مقام ابراہیم، ملتزم، رکن یمانی، حطیم، زمزم شریف، خود بیت اللہ شریف، صفا، مروہ، اور ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان کی مسافت

جس میں سعی کی جاتی ہے یعنی مَسعٰی - اور پھر عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے قریب کی جگہ، یہ سب دعاؤں کی مقبولیت کے خاص مقامات ہیں جہاں سیدنا حضرت ابراہیم اور خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) اور اُن کے علاوہ بس اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے سو یا کتنے ہزار پیغمبروں نے اور کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ اُس کے ولیوں نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق کیسے کیسے الحاح اور ابتہال کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں اور کیسے تڑپتے ہوئے دل سے اُس کو یاد کیا ہے۔

آپ بھی انشاء اللہ ان مقامات پر پہنچیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں گے، تو ان مقامات کی دعاؤں کے متعلق میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ ان جگہوں پر آپ جو اور دعائیں کریں، اُن کے ساتھ ایک دعا یہ بھی کریں:-

"اے اللہ! تیرے برگزیدہ اور مقبول بندوں نے اس مقام پر تجھ سے جو جو دعائیں کبھی کی ہیں اور جن جن چیزوں کا تجھ سے سوال کیا ہے اے میرے نہایت رحیم و کریم پروردگار! میں اپنی نااہلیت اور نالائقی اور سیاہ کاری کے اقرار کے ساتھ صرف تیری شانِ کرم کے بھروسہ پر اُن سب چیزوں کا اِسی جگہ تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور جن جن چیزوں سے انھوں نے اس مقام پر تجھ سے پناہ مانگی، میں اسی جگہ اُن سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں —— اے اللہ اس خاص مقام کے جو خاص انوار و برکات ہیں مجھے اُن سے محروم نہ رکھ، اور یہاں حاضر ہونے والے اپنے اچھے بندوں کو تو نے جو کچھ کبھی عطا فرمایا ہو، یا جو کچھ تو ان کو عطا فرمانے والا ہو مجھے بھی اس میں شریک فرمادے، اور اس کا کوئی ذرہ مجھے بھی نصیب فرمادے، تیرے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔"

اور اگر یاد رہے تو اس سیاہ کار کو بھی اس دعا میں شریک فرمالیں - (اور بھی جن جن حضرات کی نظر سے یہ سطریں گذریں اُن سے بھی بڑی عاجزی کے ساتھ اس عاجز و عاصی کی یہی استدعا ہے) - ع "وقت پر بھول نہ جانا فقیرا یاد رہے"

مکہ معظمہ سے روانگی اور طوافِ رخصت:-

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت ایک رخصتی طواف کیا جاتا ہے- آفاقی یعنی بیرونی حجاج کے لئے یہ طواف واجب ہے، لیکن اگر طوافِ زیارت کے بعد کسی نے کوئی نفل طواف کرلیا اور

رخصتی طواف کئے بغیر ہی وہ مکۂ معظمہ سے روانہ ہوگیا تو یہ نفلی طواف ہی طوافِ رخصت کے قائمقام ہو جاتا ہے،
لیکن اصل یہی ہے کہ روانگی کے دن بلکہ اچھا ہے کہ خاص روانگی کے وقت وداع اور رخصت کی نیت سے یہ
آخری طواف کیا جائے، اس کا طریقہ بھی وہی ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے ــــــ البتہ اس کی خصوصیت کا
تقاضا ہے کہ بیت اللہ شریف جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ ہے، اور عمر بھر کی تمناؤں
کے بعد جس تک پہنچنا نصیب ہوا تھا، اُس کے فراق اور جدائی کا خیال کر کے اور یہ سوچ کے کہ نہ معلوم یہ
سعادت اور دولت پھر کبھی میسر آئے گی یا نہیں، اس طواف کے وقت زیادہ سے زیادہ حزن وملال کی
کیفیت اپنے دل میں پیدا کی جائے، اور اللہ نصیب فرمائے تو روتے ہوئے دل اور بہتی ہوئی آنکھوں کیساتھ
طواف کیا جائے۔ طواف ختم کر کے حسب معمول مقام ابراہیمؑ پر دوگانۂ طواف پڑھا جائے، دُعا کی جائے
اور دُعا کے وقت بھی دل میں یہ فکر ہو کہ معلوم نہیں اس کے بعد بھی اس مقدس اور محترم مقام میں سجدہ کرنے
اور اللہ کے حضور میں ہاتھ پھیلانے کی سعادت کبھی میسر آئے گی یا نہیں ــــــ پھر زمزم شریف پہ جاکر
"بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ" پڑھ کر تین سانس میں خوب سیر ہو کر
پانی پیجئے، اور دُعا کیجئے: "اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ"
اس کے بعد اور جو جی چاہے دُعائیں کیجئے ــــــ پھر ملتزم پر آیئے اور آج وداع و رخصت ہی کی نیت سے
اُس سے لپٹ لپٹ کے خوب روئیے اور پورے الحاح وابتہال سے دُعا کیجئے۔ حج کی مقبولیت مانگیے،
مغفرت مانگیے، دنیا اور آخرت کی عافیت مانگیے، عذاب سے نجات اور جنت مانگیے، اللہ کی رضا مانگیے، اور
اپنے علاوہ اُن سب کے لئے بھی مانگیے جن کے لئے آپ کو مانگنا چاہئے۔ اور ہاں اس موقع پر خوب رو رو کے
اور بلک بلک کے یہ دُعا بھی مانگیے، کہ:۔ "خداوندا! میری یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو، اس کے بعد بھی
بار بار مجھے اس در کی حاضری کی توفیق بخشی جائے۔"

ملتزم سے ہٹ کر اب حجرِ اسود پر آیئے اور آخری دفعہ وداع کی نیت سے اس کو بوسہ دیجئے، اگر اس
موقع پر آپ کی آنکھیں چند قطرے گرا دیں تو بڑی مبارک ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود
کا بوسہ لیتے ہوئے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا تھا:۔

ھٰھُنَا تُسْکَبُ الْعَبَرَاتُ — یہ ہے آنسوؤں کے بہنے کی جگہ اور موقع

بس حجرِ اسود کو یہ آخری بوسہ دے کے حسرت سے بیت اللہ کو دیکھتے ہوئے، آنکھوں سے روتے ہوئے، اور

دل وزبان سے ربِّ کعبہ کو یاد کرتے اور اس سے دُعا کرتے ہوئے، اور مسجد حرام اور بیت اللہ کے آداب اور حقوق کے بارے میں جو کوتاہیاں اس عرصہ میں ہوئیں اُن کی معافی مانگتے ہوئے مسجد حرام سے نکلئے حسبِ قاعدہ بایاں پاؤں پہلے نکالئے اور دُعا کیجئے :-

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ"

اب آپ کو بیت اللہ کی جدائی پر دلی رنج ہونا چاہئے، اور آپ کے قلبِ محزوں کا یہ احساس ہونا چاہئے، کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

لیکن کعبۃ اللہ کی صحیح تصویر آنکھ کے راستہ سے آپ کے دل ودماغ میں اُتر چکی ہے بس اُسی کو اب سب سے قیمتی تحفہ اور اپنے سفر کی عزیز ترین یادگار تصور کیجئے، اور جب جی چاہے اُسی کے توسط سے تصور کے عالم میں کعبہ میں پہنچ جایا کیجئے۔ ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

ایک ضروری بات :-

اس خط میں حج کا طریقہ اگرچہ بحمداللہ مکمل طور پر آگیا ہے، تاہم ممکن ہے کہ آپ سے اعمالِ حج کی ادائیگی میں کوئی غلطی اور کوتاہی ہو جائے، اور آپ کو اسکی تصحیح اور تلافی کی ضرورت ہو تو اس مقصد کیلئے آپ کسی مستند عالم سے رجوع کریں، یا مناسک کی کسی معتبر کتاب میں مسئلہ دیکھ لیں ـــــ مناسک یعنی حج کے مسائل پر اُردو میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں مولانا سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور کی تصنیف "معلم الحجاج"[1] بہت جامع اور مستند کتاب ہے ـــــ اور اب خود مفتی صاحب ممدوح نے کم تعلیمیافتہ حضرات کیلئے اس کا خلاصہ بھی کر دیا ہے، اکثر پیش آنے والے مسائل اسمیں بھی آگئے ہیں۔ "حج کا مسنون طریقہ"[2] اس کا نام ہے۔

---

(۱) "معلم الحجاج" کی قیمت (ے ر) ہے، اور "حج کا مسنون طریقہ" کی قیمت (عہ ر) ــ دونوں کتابیں کتبخانہ الفرقان سے مل سکتی ہیں۔

زیارتِ مدینہ

مدینہ مدینہ، مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ، مدینہ مدینہ

دلا خاکِ رہِ کوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

ز ہر سوئے بیا سوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

مدینۂ طیبہ کو روانگی :-

مکۂ معظمہ کی جدائی اور فراق کے رنجدہ اور غم انگیز خیال کو اب آپ مدینۂ طیبہ اور مسجد نبویؐ کی حاضری اور روضۂ مطہر کی زیارت اور بارگاہِ نبوت کی حضوری کے مسرت بخش اور نہایت لذیذ تصورسے بدل دیجئے، اور مست ہو ہو کر آپ پر درود و سلام پڑھئے :-

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

مدینۂ طیبہ کے راستہ میں محبتِ نبویؐ کو بیدار اور مشتعل کرنے کیلئے اگر آپ کو ذوق ہو تو نعتیہ اشعار پڑھیئے (اس کام کیلئے زائرِ حرم حمید صدیقی صاحب کا مجموعۂ کلام "گلبانگِ حرم" خاص چیز ہے)۔ نیز گذشتہ سال کے حج نمبر میں، اور اس نمبر میں بھی حُبِّ نبویؐ کو برانگیختہ کرنے کا نثر اور نظم دونوں میں بحمد اللہ کافی سامان جمع ہو گیا ہے۔

مدینۂ طیبہ میں داخلہ اور مسجد نبویؐ میں حاضری :-

مدینۂ طیبہ کے راستہ کی آخری منزل ذوالحلیفہ (بیر علی) ہے، جہاں سے مدینۂ طیبہ غالباً صرف ۵، ۶ میل رہ جاتا ہے، زائرین کو لے جانے والی اکثر لاریاں یہاں ٹھہرتی ہیں، اگر آپ کو بھی ٹھہرنے کا موقع ملے تو بہتر ہے کہ آپ یہیں غسل کر لیں، اور اگر غسل نہ کر سکیں تو وضو ہی کر لیں، اور جو اچھا لباس آپ کو میسر ہو وہ پہن لیں، خوشبو لگا لیں، اور ذوق و شوق کی بیتابی کے ساتھ درود و سلام پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں۔

گنبد خضرا پر پہلی نظر :- ؎

تورا گنبد گول کلس من بھاون دُور سے پیارے دیکھ جو لوں

وہیں سیس نوادوں، جان گنوادوں، من بیچ یہی سمایت ہے

ذو الحلیفہ سے موٹر روانہ ہونے کے بعد چند ہی منٹ میں مدینۂ طیبہ کی آبادی نظر آنے لگے گی، اور ہر مومن کی آنکھ کا نُور اور دل کا سُرور "گنبدِ خضرا" سبز نگینہ کی طرح آبادی کے بالکل وسط میں آپ کی خوش نصیب آنکھوں کے سامنے ہوگا اُسوقت پوری محبت اور رقت کے ساتھ درود و سلام پڑھیے، اور اللہ سے دُعا کیجئے، کہ :-

"اے اللہ! یہ تیرے حبیب (صلے اللہ علیہ وسلم) کا محبوب شہر ہے، اور تیرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیرے حکم سے اِس کو حرم قرار دیا ہے، اسمیں میرے داخلہ اور میری حاضری کو تو ہر قسم کے عذاب سے امان کا ذریعہ بنا!"

"میں جاؤں سر کے بل یثرب نگریا آرزو دارم" :-

ڈرائیور اگر راضی ہو جائے اور وادئ عقیق میں (بیر عروہ کے پاس) اُتارنے پر تیار ہو جائے تو یہاں سے پیدل چلئے، اور اللہ کے محبوب کے محبوب شہر میں عشق و نیاز کی مرکب کیفیات کیساتھ داخل ہو جیے!۔

مدینۂ طیبہ کے جس دروازہ سے آپ کا داخلہ ہوگا، اُس کا نام "بابُ العنبریہ" ہے۔ اُس میں داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پورے خشوع خضوع کے ساتھ عرض کیجئے :-

"بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ"

پھر چلتے ہی چلتے دُعا کیجئے :-

"اے اللہ! اپنے جس کرم سے تو نے مجھے یہ مُبارک دن دکھایا ہے کہ میں تیرے حبیب کے محبوب شہر میں داخل ہو رہا ہوں، اسی کرم سے تو مجھے یہاں کی خاص برکتیں عطا فرما، اور اُن تمام باتوں سے میری حفاظت فرما جو یہاں کی برکات سے محرومی کا باعث ہوتی ہیں۔"

شہر میں داخل ہونے کے بعد اسباب کی حفاظت کا کوئی بندوبست کر کے (اور اگر داخلہ سے پہلے غسل یا وضو کر کے کپڑے بدلنے کا موقع نہ ملا ہو تو اب غسل یا وضو ہی کر کے اور کپڑے بدل کے) سب سے پہلے مسجد نبوی کی طرف آئیے،

اور "بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ" کہہ کے ظاہر و باطن کے پورے ادب کے ساتھ داہنا پاؤں پہلے اندر رکھئے، اور عرض کیجئے:۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ"

سب سے پہلے مسجد شریف کے اُس حصہ میں جائیے جو روضۂ مطہرہ اور منبر شریف کے درمیان ہے، اور جس کے متعلق خود حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے "روضۃ من ریاض الجنۃ" ارشاد فرمایا ہے، (یعنی یہ جنّت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے) یہاں پہنچکر سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیئے[1]۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اس عظیم و جلیل نعمت کے شکریہ میں کہ اُس نے اس دربار عالی کی حاضری کی سعادت بخشی مستقل سجدۂ شکر کیجئے، اور دُعا کیجئے کہ: "اے اللہ جس طرح تو نے محض اپنے کرم سے یہاں تک پہنچا دیا، اسی طرح اپنے کرم سے میرے لئے اپنی رحمت و رضا کے دروازے کھول دیجئے اور اپنے محبوب رسُول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو شفقت و عنایت کے ساتھ میری طرف متوجہ فرما دیجئے، اُن کا قلب مبارک بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

مواجہ شریف میں حاضری اور پہلا سلام:۔

اس کے بعد پورے ادب اور ہوش کے ساتھ (اگر ہوش باقی رہے) مواجہ شریف میں آئیے، یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روبرو حاضر ہو جائیے، اور یہ تصوّر کرتے ہوئے کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوں اور حضورؐ میری گذارش بنفس نفیس سُن رہے ہیں، پورے ادب کے ساتھ ہلکی آواز سے سلام عرض کیجئے۔

سلام کے بارے میں ذوق مختلف ہیں، بعض لوگ مختصر سلام پسند کرتے ہیں، اُن کیلئے یہی اچھا ہے کہ بس مختصر سلام عرض کریں، سلف کا عام مذاق بھی یہی تھا۔

اور بیچارے عوام جو عربی بالکل نہیں جانتے، اور سلام کی لمبی چوڑی عبارتیں نہ اُن کو یاد ہوتی ہیں نہ وہ اُن کے معنی مطلب سمجھتے ہیں، اُن سب کے لئے تو گویا یہ ضروری ہے کہ وہ مختصر ہی سلام عرض کریں —— مثلاً صرف اتنا عرض کریں:۔

---

[1] حضور (صلّے اللہ علیہ وسلم) نے بعض صحابہ کو حکم دیا تھا کہ مسجد شریف میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد پڑھا کریں، اُس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں۔ اب بھی یہی حکم ہے۔ ۱۲

السلام علیك یا رسول اللّٰه	اے اللہ کے رسول آپ پر سلام
السلام علیك یا حبیب اللّٰه	اے اللہ کے محبوب آپ پر سلام
السلام علیك یا خیر خلق اللّٰه	اے بہترین خلق اللہ آپ پر سلام
السلام علیك ایّھا النّبی	اے اللہ کے نبی آپ پر سلام اور اللہ
و رحمة اللّٰه و برکته	کی رحمت اور اسکی برکتیں

اور جو عربی داں حضرات طویل سلام عرض کرنے میں زیادہ لذت اور کیفیت محسوس کریں[1]، وہ اگر چاہیں تو سال گذشتہ کے حج نمبر میں رفیقِ محترم مولٰنا سید ابو الحسن علی کے مضمون "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" میں دیکھ لیں، اس عاجز کو بھی وہ ہی سلام بہت زیادہ محبوب ہے۔

یہاں ایک سلام اور لکھتا ہوں، اپنی درمیانی حیثیت کی وجہ سے شاید آپ کے لئے اور آپ جیسوں کیلئے وہ زیادہ مرغوب ہوگا، یہ سلام بھی اس عاجز کو بہت پسند ہے:۔

السّلامُ علَیكَ اَیُّھَا النّبِیُّ وَ	اے اللہ کے پیغمبر آپ پر سلام، اور اللہ کی رحمتیں اور
رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	برکتیں! یا رسول اللہ میں آپکے سامنے گواہی دیتا ہوں
اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے (کوئی عبادت اور بندگی
وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ اَنَّكَ	کے لائق نہیں ہے) اور اس کا کوئی شریک ساجھی بھی نہیں ہے
عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّكَ	اور بلا شبہ آپ اُسکے بندے اور رسول ہیں ـــــ اور میں
قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ اَدَّیْتَ	اسکی بھی شہادت دیتا ہوں (اور انشاء اللہ قیامت میں
الْاَمَانَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَ	اللہ کے سامنے بھی یہ شہادت دوں گا) کہ آپنے اس کا پیغام
کَشَفْتَ الْغُمَّةَ وَ جَاهَدْتَ	پہنچا دیا اور امانت کا حق ادا کر دیا، اور اُمت کی خیر خواہی
فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ فَجَزَاكَ اللّٰهُ	میں کوئی کسر نہ رکھی، اور گمراہی اور تاریکی کو بالکل دُور

[1] افراد کی انفرادی دعاؤں میں، اور اسی طرح صلوٰۃ و سلام میں اختصار پسندی اور طوالت پسندی یہ بالکل ذوقی چیزیں ہیں، شارع نے کسی نص کے ذریعہ اس قسم کے امور میں نہ ہمیں خاص الفاظ کا پابند کیا ہے نہ خاص مقدار کا، اسلئے ان چیزوں میں کسی ایک ہی پہلو کو صحیح سمجھنا اور دوسرے پہلو کو غلط قرار دینا صحیح نہیں۔ اصل قابل توجہ چیز یہ ہے کہ حقیقت ہو بے رُوح رسم نہ ہو۔

عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَيْرَ مَا	کردیا، اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کا حق پوری طرح ادا
جَزٰى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَرَسُوْلًا	کردیا۔ پس آپ کو آپکا مولا اس پوری اُمت کی طرف سے
عَنْ خَلْقِهٖ ۔	وہ بہترین جزا دے جو کسی نبی کو اُسکی اُمت کی طرف سے اور

کسی رسول کو اپنی مخلوق کی طرف سے اللہ نے دی ہو یا دینے والا ہو۔

اس کے بعد حضورؐ سے شفاعت کی درخواست کیجئے، اور عرض کیجئے کہ: "حضور والا! گناہوں کے بوجھ نے میری کمر توڑ دی ہے، میں آج آپ کے سامنے اپنے سب گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، اور اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔ حضورؐ بھی میرے لئے استغفار فرمائیں، اور قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں، اگر حضورؐ نے عنایت نہ فرمائی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا، برباد ہو جاؤں گا۔"

اس کے بعد اپنے اُن بزرگوں دوستوں عزیزوں کا سلام حضورؐ کو پہنچائیے جنھوں نے آپ سے فرمائش کی ہو اور آپنے اُن سے وعدہ کر لیا ہو۔ اگر سب کا نام لینا مشکل ہو تو اتنا ہی عرض کر دیجئے کہ: "حضورؐ! آپ پر ایمان رکھنے والے اور آپ کا نام لینے والے میرے چند اور بزرگوں اور عزیزوں دوستوں نے بھی سلام عرض کیا ہے، حضورؐ اُن کا سلام قبول فرمائیں، اور اُن کے لئے بھی اپنے رب سے مغفرت مانگیں، وہ بھی حضورؐ کی شفاعت کے طلبگار اور اُمیدوار ہیں۔"

اِس سیاہ کار کی التجا:۔

یہاں میں آپ سے بڑی ہی عاجزی سے اور ایمانی اخوت کا واسطہ دے کے عرض کروں گا کہ خواہ اس پہلی حاضری میں اور خواہ اس کے بعد کسی حاضری میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اس سیاہ کار اُمتی کی طرف سے بھی عرض کریں، کہ:۔
"اے رب العالمین کے حبیب اے رحمت عالم! آپ کے ایک سیاہ کار اور نابکار اُمتی محمد منظور نے بھی سلام عرض کیا ہے وہ اپنے لئے اپنے والدین کیلئے، اور حضورؐ پر ایمان لانے والے اپنے سب محسنوں اور محبوں کیلئے حضورؐ سے مغفرت کی دُعا اور شفاعت کا طلبگار اور اُمیدوار ہے۔ اُسے یقین ہے کہ آپ کی شفاعت و عنایت سے اس کا بیڑا پار ہو جائے گا ــــ حضورؐ سے اُسکی یہ بھی استدعا ہے کہ اُسنے جو عہد آستانۂ مقدسہ پر کیا تھا، حضور والا اپنے رب سے دُعا فرمائیں کہ مرتے دم تک اُس پر قائم رہنے کی اس کو توفیق ملے۔"

حضورِ اقدس (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حضور میں سلام اور اپنی معروضات عرض کرنے کے بعد آپ کے یارِ غار اور سب سے بڑے جاں نثار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں اور اسکے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔

مدینہ طیبہ میں آپ کا قیام اور اس عرصہ کے مشاغل :۔

خدا نے چاہا تو آپ کو مدینہ طیبہ میں قیام کا کافی موقع ملے گا، اُن دنوں کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھئے، جہاں تک ہو سکے زیادہ وقت مسجد نبوی میں گذارئیے، لاکھوں کروروں میل کی اللہ کی زمین میں یہی وہ خوش نصیب قطعہ ہے جہاں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کے حضور میں سب سے زیادہ سجدے کئے، نمازیں پڑھیں، خطبے دیئے، دعائیں کیں، اعتکاف کئے۔ اگرچہ اب مسجد نبوی عہد نبوت کی وہ پرانی مسجد نہیں ہے، لیکن اس میں کیا شک کہ زمین وہی ہے اور فضا وہی ہے اور انوار و برکات وہی ہیں، اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اُسکے ایک حصہ میں آج بھی آرام فرما ہیں ۔۔۔۔ یقیناً ۔ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

بہرحال اپنا زیادہ وقت مسجد شریف ہی میں گذارئیے، نفل نمازیں پڑھئے، قرآن مجید کی تلاوت کیجئے، اور سب سے زیادہ شغل درود شریف کا رکھئے ۔۔۔۔ اور جب موقع مناسب ملے سلام عرض کرنے کیلئے مواجہ شریف میں حاضر ہو جائیے۔

مواجہ شریف میں اطمینانی حاضری کے اوقات :۔

اس عاجز کے تجربہ میں چار وقت ایسے ہیں جبکہ مواجہ شریف میں اطمینان سے حاضری اور عرض معروض کا موقع اکثر مل جاتا ہے ۔ ایک تہجد کے وقت جبکہ مسجد شریف کے دروازے کھلتے ہیں، اُس وقت داخل ہونیوالے اکثر لوگوں کو دیکھا کہ وہ "روضۃ الجنۃ" میں جگہ قبضانے کی فکر میں، یا "محراب النبی" پر نفل پڑھنے کی کوشش میں اُس طرف سبقت کرتے ہیں، آپ اگر اُسوقت "باب جبریل" سے داخل ہو کے اور تحیۃ المسجد مختصر پڑھ کے سیدھے مواجہ شریف پر پہنچیں، تو وہاں کوئی اژدہام اور مجمع انشاء اللہ اُسوقت نہ پائینگے ۔۔۔۔ دوسرے ہندوستانی گھڑیوں کے حساب سے دن کو ۱۰، ۱۱ بجے کے درمیان ۔۔۔۔ تیسرے غروب آفتاب سے قریباً پون گھنٹہ، آدھا گھنٹہ پہلے ۔۔۔۔ اور چوتھے رات کو جب مسجد شریف کے دروازے بند کئے جاتے ہیں ۔ اگر آپ اس اُمید میں بالکل آخری وقت تک وہاں رہیں تو انشاء اللہ کبھی کبھی چند منٹ کیلئے ایسا موقع بھی اُسوقت میں آپ کو نصیب ہو جائے گا جبکہ آپکے سوا وہاں کوئی نہ ہوگا۔

چونکہ اصحاب ذوق و محبت کو کسی ایسے وقت کی بڑی تمنا ہوتی ہے جبکہ ۔ ؎

"ہم ہی ہم ہوں تری محفل میں کوئی اور نہو"

اس لئے اپنا یہ تجربہ بے تکلف آپ کیلئے عرض کردیا ہے، خدا کرے کام آئے۔

ایک اور تجربہ اور مشورہ :-

انکسار کے طور پر نہیں، بلکہ پوری دیانتداری اور صفائی سے حقیقت حال عرض کرتا ہوں کہ خاص اصطلاح کے مطابق میں "اہلِ ادراک" میں سے نہیں ہوں، بلکہ ان امور میں ایک عامی آدمی ہوں۔ تاہم گزشتہ سال جب اللہ تعالیٰ نے وہاں کی حاضری کی نعمت سے نوازا، تو جب کبھی کسی قدر اطمینان کے ساتھ مواجہ شریف میں حاضری نصیب ہوئی تو قریب قریب ہر دفعہ بڑی قوت کے ساتھ دل پر اس احساس کا غلبہ ہوتا تھا کہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ خیال اور فکر امت کی دین سے لاپرواہی اور دوری کی ہے اور مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی سے آپ سخت متفکر اور محزون ہیں، اور گویا اسکے منتظر ہیں کہ آپ سے تعلق اور نسبت رکھنے والے آپ کی اُمّت میں ایمانی روح اور اسلامی زندگی عام کرنے کیلئے کمربستہ ہوں، ——— ممکن ہے یہ میرے خاص خیالات کا ہی عکس ہو، لیکن بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی دل میں اس کا یقین پوری قوت سے بھر رہا ہے ——— آپ سے بے تکلف عرض کئے دیتا ہوں کہ آخر ایک وقت اس سیاہ کار نے ضروری سمجھ کر عرض کیا کہ حضور توفیق اور استقامت کی دعا فرمائیں، انشاء اللہ یہ غلام بھی جہاں تک بن پڑیگا یہ کام کرے گا۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ گویا حضور کو اس وعدہ اور ارادہ سے ایک خاص مسرت اور فرحت ہوئی۔ والعلم عند اللہ۔

میں مکرر عرض کرتا ہوں کہ اس کا بڑا امکان ہے، بلکہ اپنی حالت دیکھتے ہوئے اغلب یہی ہے کہ یہ سب اپنے ہی اندر کے خیالات ہوں گے، لیکن بہرحال اس احساس یا ادراک نے مجھے تو فائدہ ہی پہنچایا کہ ایک قطعی منصوص دینی کام کی اہمیت کا احساس پہلے سے کچھ زیادہ ہوگیا۔

آپ کو بھی اس عاجز کا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مواجہ شریف میں جہاں حضور سے آپ اور اپنی باتیں عرض کریں وہاں کبھی دین کی خدمت و نصرت کا عہد بھی آپ کیجئے! انشاء اللہ اسکی برکتیں آپ خود دیکھ لیں گے۔

جنّت البقیع :-

مدینہ طیبہ میں مسجد شریف اور روضۂ مقدسہ کے بعد سب سے اہم مقام وہاں کا قدیمی قبرستان "جنت البقیع" ہے، جو حرم نبوی سے بہت تھوڑے سے فاصلہ پر ہے، زیادہ سے زیادہ ۸، ۱۰ منٹ کی مسافت ہے۔ کیسا خوش نصیب زمین کا یہ قطعہ ہے، خود رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کتنے مرنے والوں کو اپنے ہاتھ سے اس میں دفن فرمایا۔ آپ کی اکثر ازواج مطہرات، بنات طاہرات، اور اہل بیت نبوت کے بہت سے ممتاز افراد اور کتنے جلیل القدر صحابۂ کرام اور

پھر شمار میں نہ آسکنے والے ان کے تابعین اور تبع تابعین اور قرونِ مابعد میں پیدا ہونے والے ائمہ عظام اور اولیاء کرام اس میں آسودۂ خواب ہیں — سچ کہا کہنے والے نے۔

"دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز"

مدینۂ طیبہ کے قیام کے زمانہ میں یہاں بھی ضرور حاضری دیتے رہئے، یہاں کے سونے والوں کو پہلے مسنون طریقہ پر سلام عرض کیجئے، اور اُن کے لئے اُن کے رب سے مغفرت و رحمت اور رفع درجات کی دُعا کیجئے اسی کے ساتھ اپنے لئے بھی دعا کیجئے کہ اے اللہ! یہاں تیرے جو یہ وفادار اور صالح بندے سو رہے ہیں اُن کی جن باتوں سے تو راضی ہوا اُن کا کوئی ذرہ مجھے بھی نصیب فرما، اے اللہ! اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں لیکن تیرے ان سب صالح بندوں سے مجھے محبت ہے، بس اس محبت ہی کی برکت سے تو مجھے ان کے ساتھ شامل فرمادے۔ (والحقنی بالصّٰلحین)۔

بقیع کا دروازہ دن بھر کُھلا رہتا ہے، آپ ہر وقت حاضر ہو سکتے ہیں لیکن اپنا تجربہ یہ ہی کہ سب سے اچھا وقت یہاں کے لئے صبح اشراق کے بعد کا ہے۔

مسجد قبا :-

مسجد قبا جس کے متعلق "لَمَسْجِدٌ[1] اُسِّسَ علی التقویٰ" فرماکر خود قرآن پاک نے اس کو خاص عزت و عظمت بخشی ہے، اور "اَحَقُّ[2] اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ" کے الفاظ سے جس میں نماز پڑھنے کی خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ترغیب دی گئی ہے، اور جس میں دو رکعت نماز کا ثواب حضورؐ نے رمضان کے عمرہ کے برابر بتلایا ہے، کم از کم ایک دو[2] دفعہ وہاں بھی جائیے اور اس میں نماز ادا کیجئے، اور وہاں کے خاص انوار و برکات کے حصول کی اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے۔

جبلِ اُحد :-

احد وہ پہاڑ ہے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا "یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ" (ہم کو اس سے محبت ہے اور اُسکو ہم سے محبت ہے)

---

[1] وہ مسجد جس کی بنیاد اخلاص اور تقویٰ پر رکھی گئی۔
[2] اس مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا آپ کے لئے بہتر ہے۔

اس پہاڑ ہی کے دامن میں گویا جنگ احد ہوئی تھی جس میں خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی سخت زخمی ہوئے، اور قریباً ستر جاں نثار صحابۂ کرام شہید ہوئے تھے جن میں آپ کے محبوب اور شفیق چچا اسد اللہ و اسد رسولہ حضرت حمزہؓ بھی تھے، یہ سب شہداء کرام وہیں مدفون ہیں —— رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) خاص اہتمام سے اس گنج شہیداں پر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں ان کو سلام و دُعا سے نوازتے تھے۔

کم از کم ایک دفعہ وہاں بھی آپ ضرور حاضری دیجئے اور مسنون طریقہ پر شہداء کرام کو پہلے سلام عرض کیجئے اُن کے واسطے اور اُن کے ساتھ اپنے بھی واسطے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی اور فلاح و رضا کی دُعا کیجئے، اور اللہ و رسول کے ساتھ سچی وفاداری اور دین پر استقامت اللہ تعالیٰ سے یہاں خاص طور سے مانگئے۔

مدینۂ طیبہ کے فقراء و مساکین :-

غربت و افلاس مدینہ شریف میں حد سے زیادہ ہے، جن بیچاروں نے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو روزی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے وہ تو غالباً لوگوں سے کچھ امداد و اعانت حاصل کر ہی لیتے ہوں گے، لیکن باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ مدینہ کی آبادی میں کافی تعداد ایسے شریف گھرانوں کی ہے جو فاقوں پر فاقے ہونے کے باوجود سوال اور اظہارِ حاجت کی ذلت سے اپنے کو بچاتے ہیں۔

بلاشبہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ایسے پڑوسیوں کی خدمت بڑی سعادت ہے، اور انشاء اللہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص ذریعہ ہے۔

لیکن ہم آپ جیسے لوگ اپنے چند روزہ قیام میں اُن کا پتہ بھی نہیں چلا سکتے، البتہ ایسے معتمد ذریعے مل سکتے ہیں جن کی وساطت سے اپنے ہدایا ایسے گھرانوں تک پہنچائے جا سکیں —— کتب خانۂ شیخ الاسلام کے مہتمم احمدی صاحب اس عاجز کے علم میں اس کے لئے بہترین ذریعہ ہیں، اُن کا مکان اور کتب خانہ مسجد نبوی کی قبلہ والی دیوار سے بالکل قریب گویا ملا ہوا ہے، مدینۂ طیبہ کے مشہور ترین حضرات میں سے ہیں۔

مدینۂ طیبہ سے واپسی :-

مدینۂ طیبہ میں جتنا قیام اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر فرمایا ہے اُس کو ختم کرکے آپ آخر کار واپس ہونگے۔

اور مدینۂ طیبہ سے جدا، اور رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے رخصت ہونا قدرتی طور پر آپ کیلئے بڑا سانحہ ہوگا

——— بہرحال جب وہ دن آئے تو اُس روز خصوصیت سے اور خاص اہتمام سے آپ رخصتی ہی کیلئے مسجد شریف میں حاضر ہوں، پہلے دو رکعت نماز (اگر ہوسکے تو محراب نبوی میں، ورنہ اس کے آس پاس "روضۃ الجنۃ" میں کہیں) پڑھیں۔ اور اپنی اور دعاؤں کے ساتھ خاص طور سے یہ دُعا بھی کریں، کہ:۔

"اے اللہ! تیرے محبوب رسول اور اُن کی اس مسجد اور اُن کے اس شہر اور شہر والوں کے حقوق وآداب کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں مجھ سے ہوئیں اُن کو اپنے خاص کرم سے معاف فرما، اور میرے حج و زیارت کو قبول فرما، اور مجھے یہاں سے محروم واپس نہ فرما، اور میری یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو، بلکہ اے میرے کریم مولا! اس کے بعد بھی مجھے تو یہاں حاضری کی توفیق عطا فرما، اور قیامت میں اپنے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت اور آپ کا قرب مجھے نصیب فرما۔"

اس کے بعد آپ مواجہ شریف میں آئیں اور سلام عرض کریں، اور استغفار اور شفاعت کی پھر درخواست کریں، اور یہاں کے ادب اور مقام کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور بھی جو کچھ عرض کرنا ہو عرض کریں، اور خوب عرض کریں، اور استدعا کریں کہ حضور والا میرے حج و زیارت کی قبولیت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں، اور یہ بھی دعا فرمائیں کہ میری یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو، بلکہ اسکے بعد بھی مجھے بُلایا جائے۔

اسوقت جس قدر آپ کا دل غمگین اور شکستہ ہوگا، اور آنکھیں جتنی اشکبار ہوں گی، انشاء اللہ اُسی قدر رحمۃ للعلمین (صلے اللہ علیہ وسلم) کی رحمت و شفقت آپ کی طرف متوجہ ہوگی۔

اس کے بعد یہ تصور کرتے ہوئے کہ جس مُلک میں میں رہتا ہوں گویا اُسی میں شہادتِ حق اور دین کی خدمت ونصرت پر میں مامور ہوں وطن روانہ ہو جائیے، اور دلِ غمگین کو تسکین دیجئے کہ اگرچہ جسم میرا مدینۂ طیبہ سے دُور رہے گا لیکن میری رُوح انشاء اللہ کبھی دُور نہ ہوگی، اور ہزاروں میل دُور سے بھی میرا درود و سلام اور میرا پیام اللہ کے فرشتوں کے ذریعہ انشاء اللہ حضورؐ کو پہنچا کرے گا۔

(اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ)

آخری التجا:۔ چھپنے کے بعد اللہ کے جن بندوں کی نظر سے یہ خط یا مضمون گذرے اُن سے اِس عاجز کی آخر میں پھر التجا ہے کہ وہ صدقہ خیرات ہی کے طور پر اس عاجز کیلئے اور اسکے مرحوم والدین اور محسنوں محبوں کیلئے مغفرت و رحمت کی دُعا ضرور فرمائیں۔

"ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین" عاجز و عاصی:۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

"بردار نقاب از رُخ اے شاہدِ بطحائی"

ہمارے مخلص دوست اور دینی رفیق مسعود علی صاحب آزاد فتحپوری کے والد ماجد مولوی حکیم سید محمود علی صاحب فتحپوری (مرحوم) کی خاص فرمائش پر حضرت محوی نے مندرجۂ ذیل نعت کہی تھی بھائی آزاد صاحب نے اپنے والد مرحوم کی بیاض سے نقل کر کے یہ نظم "حج نمبر" کیلئے مرحمت فرمائی ہے۔ اگرچہ محوی صاحب کے دیوان میں بھی یہ چھپ چکی ہے، لیکن اس کا حق ہے کہ حج نمبر میں بھی شائع کی جائے۔ مطبوعہ دیوان اور بیاض کے بعض مصرعوں میں بھی فرق ہے، یہاں جو شائع کی جارہی ہے یہ بیاض کے مطابق ہے۔

"مدیر"

بردار نقاب از رُخ اے شاہدِ بطحائی
عالم نشود روشن تا چہرہ نہ بکشائی

از اوجِ کمالِ تو برگشت نظر قاصر
بگذشت عُروجِ تو از سرحدِ بینائی

بر حکمتِ تو شیدا، صد حکمتِ یونانی
وز عُسرتِ تو پیدا صد شوکتِ دارائی

از سعیٔ بلیغِ تو در چشم زدن بہ نشست
ہم شور و شرِ گبری، ہم فتنۂ ترسائی

شُد زندہ زنطقِ تو آئینِ براہیمی
زیبد زلبِ نوشیں، دعوائے مسیحائی

دلہائے عزیزاں شد پرخوں زفراقِ تو
وقت است زخواب خوش برخیزی و باز آئی

فرقت زتو کے شاید با ایں ہمہ دلداری
غفلت زتو کے زیبد با ایں ہمہ زیبائی

آں عقدہ کہ اُفتاد است در رشتۂ کارِ ما
دانم کمرِ ہمت، بر بندی و بکشائی

از فرطِ کرم وقتے خیر الامم ش خواندی
اکنوں بحقِ اُمّت اے خواجہ چہ فرمائی

از مدح تو شیریں است کام و دہن مادح
مدح تو مگر دارد، تاثیرِ شکر خائی

از خوانِ عطائے تو اے خواجہ چہ کم گردد
گر در دلِ محوی یک ذرّہ بہ افزائی

"محوی فتحپوری"

"اسرارِ حج!"

(از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی دکن)

ناچیز مدیر الفرقان نے غالباً ماہ رجب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب سے "حج نمبر" کے لئے مقالہ کی استدعا کی تھی، موصوف نے از راہِ عنایت اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود چند ہی روز بعد ایک مقالہ بعنوان "اسرارِ حج" مرتب فرما کر روانہ فرما دیا جس میں حج سے متعلق ہر ہر عمل — احرام، طواف، سعی بین الصفا والمرو، وقوفِ عرفہ، بیت مزدلفہ (شب گذاری)، پھر قیامِ منیٰ، قربانی، رمی جمار، حلق، غرض تمام اعمالِ حج کی روح اپنے خاص عارفانہ اور وجد انگیز انداز میں بیان فرمائی تھی ——— موصوف کا یہ مقالہ دفتر "الفرقان" میں وسط شعبان میں پہونچا، میں اُن دنوں والدہ ماجدہ کی علالت کی وجہ سے اپنے وطن (سنبھل ضلع مراد آباد) مقیم تھا۔ دفتر کے کارکنوں نے وہیں میرے پاس یہ مقالہ روانہ کر دیا، میں نے اُس کو پڑھا، اور اب کیا بتاؤں کیسے مزے لے لے کے اور کتنی دفعہ پڑھا۔ اگرچہ یہ مقالہ کچھ زیادہ طویل نہ تھا مختصر ہی تھا، مگر اس کی سطر سطر میں لذت و حلاوت بلکہ طرب و مستی کا سامان بھرا ہوا تھا، معلوم نہیں اللہ کے بندہ نے کس حال میں لکھا تھا۔

لیکن اُس وقت اُس میں صرف اعمالِ حج ہی کا بیان تھا، وقت کی تنگی اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے زیارتِ نبوی کا حصہ بالکل رہ گیا تھا ——— جب اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے "حج نمبر" کی اشاعت میں ہم کو ایک ڈیڑھ مہینے کے التواء کا فیصلہ کرنا پڑا، اور بجائے شعبان کے شوال میں شائع ہونا طے کیا گیا تو اس عاجز نے ڈاکٹر صاحب کو لکھا کہ اب وقت میں کافی گنجائش پیدا ہو گئی ہے لہٰذا اب آپ زیارتِ نبوی کے متعلق بھی کچھ لکھ کر مقالہ کی تکمیل فرما دیں ——— موصوف نے یہ استدعا بھی قبول فرمائی اور زیارت کے متعلق بھی چند صفحے لکھ کر روانہ فرما دیئے، جو ناظرین کرام عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے ——— لیکن پہلے یہ سُن کر کچھ دیر کے لئے ہمارے غم میں شرکت کر لیجئے کہ یہ عاجز جب ۲۹ر شعبان کو سنبھل سے لکھنؤ آرہا تھا تو راستہ میں مراد آباد کے اسٹیشن پر میرا ایک چرمی بیگ چوری گیا جس میں چند ضروری اور بعض اچھی خاصی قیمتی چیزوں

کے علاوہ "حج نمبر" کے تین اہم مضمون بھی تھے، اور انھیں میں ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ "اسرار حج" بھی تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ مقالہ چونکہ ایسا صاف لکھا ہوا تھا کہ غالباً ایک جگہ بھی کٹا پٹا نہ تھا، اس لئے گمانِ غالب تھا کہ اسکی نقل یا ابتدائی مسودہ ڈاکٹر صاحب کے پاس محفوظ ہوگا، چنانچہ سانحہ کی اطلاع کے ساتھ نقل یا ابتدائی مسودہ بھیجنے کی استدعا کی گئی ــ موصوف نے اُس کے جواب میں جو سطریں لکھیں ان کو آپ بھی پڑھ لیجئے ـــــ تحریر فرمایا:۔

"آپ کا کرمنامہ ملا ۔ واقعہ کی اطلاع سخت رنجدہ ہے، سخت افسوس ہے کہ میرے یہاں "اسرار حج" کے نہ پہلی قسط کی کوئی نقل ہے اور نہ دوسری قسط کی، جس طرح مقالہ لکھا گیا اسی صورت میں روانہ کر دیا گیا ۔ مبیضہ اور مسودہ دونوں وہی تھے ۔ وقت چونکہ نہ تھا اور میں وعدہ کر چکا تھا کہ وقت پر بھیج دوں گا، اس لئے اس کی نقل یا ٹائپ کاپی نہ کرا سکا۔

یہ بھی ممکن نہیں کہ میں پہلے حصّہ کو از سرِ نو لکھ کر روانہ کروں، کیونکہ مجھے اسوقت سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ہے ۔ رمضان کا سا مقدس مہینہ عجیب طریقہ سے گزر رہا ہے، حق تعالیٰ کی مشیت ہو کر رہتی ہے، آپ زیادہ غم نہ کیجئے ۔ الی اللہ المشتکی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

بیشک اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مشیتِ الٰہی کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں، اور مقالہ کا زیارت سے متعلق باقی ماندہ حصّہ ہی ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیں ۔

اگرچہ اس کا احساس ہے اور کئی دفعہ کا ذاتی تجربہ بھی ہے کہ ایک دفعہ لکھنے کے بعد جو چیز اس طرح تلف ہو جائے اُس کا دوبارہ لکھنا پہلی دفعہ سے بدرجہا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے، مگر جو شخص ان کے گمشدہ مقالہ "اسرار حج" کو پڑھ چکا ہے، وہ اپنے کو تکلیف دہی کا مجرم سمجھنے کے باوجود یہ عرض کرنے پر مجبور ہے کہ کسی فرصت میں ڈاکٹر صاحب اپنے دل و دماغ کو پھر تکلیف دیں، اور پھر اس کو لکھنے کی کوشش فرمائیں ۔ بڑا مبارک ہے وہ دل اور وہ دماغ جو اس طرح کے کسی کام کے لئے بار بار تکلیف اٹھائے، اور تھکایا جائے۔

بہرحال "اسرار حج" کے لئے تو ناظرین فی الحال صبر ہی کریں، اور "زیارت" سے متعلق اس کا جو حصہ

محض حسنِ اتفاق سے بچ گیا ہے بس اُسی سے اب روحانی لذت حاصل کریں۔

خراباتیاں مے پرستی کنند

محمد بگوئید و مستی کنند

"مدیر"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"زیارت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اوکد مستحبات وافضل قربات سے ہے، اور صاحبِ قدرت کے لئے قریب واجب کے ہے!"[1]

خوش آنکہ بندم دررہت برناقہ محمل از وطن!

خیزم چو گرد افتم چو اشک آیم بسر غلطم بہ تن (اوحدی)

مدینۂ رسولؐ کی راہ میں درود کے شغل سے بہتر کوئی شغل نہیں۔

"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"

مَن صلّی علیّ واحدۃً صلّی اللہ علیہ عشراً (مسلم)

اس راستہ کو درود و سلام کے ورد ہی میں ختم کرنا چاہئے، حبِ نبویؐ کا تقاضا یہی ہے۔

ومن مذہبی حب النبی ومدحہ وللناس فیما یعشقون مذاہب

جب[2] مدینۂ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی ہے تو عاشق کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ وہ مبارک شہر ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کے لئے پسند فرمایا ہے، اور اس کو ان کا دار الہجرۃ بنایا ہے۔ یہ مقام مقدس ہے جہاں آپؐ نے حق تعالیٰ کے فرائض وسنن مشروع فرمائے، اعدائے دین سے جہاد کیا اور حق تعالیٰ کے دین کو ظاہر کیا، اسی پاک زمین میں آپ نے اپنی زندگی بسر فرمائی، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے جوارِ رحمت

---

[1] مولانا صدیق حسن مرحوم "دار الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ" ص ۱۱۵ ۔ ۱۲

میں بلالیا، اور آپؐ کی قبر مطہر اس میں مقرر فرمائی، اور آپؐ کے دو وزیر جو آپؐ کے احکام کی بجا آوری میں کامل تھے آپؐ ہی کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں! اس خیال کے آتے ہی وہ فرطِ مسرت سے چیخ اٹھتا ہے۔ ؎

من ندیدیم یثرب کہ بہ از نور بود خاک انجا! — باشد از مہر مبیں سایۂ افلاک انجا!

شرفِ خاک زہش راست کہ تا بودنِ آب — از تیمم شود اعضائے وضو پاک انجا!

بحرِ رحمت شود آں قطرہ کہ از وے ریزد — چوں کند تابِ سفر جبہۂ عرقناک انجا!

صاحبش راست جنابے کہ زبس تعظیمش — بالِ جبرئیل برو بد خس و خاشاک انجا!

(مولوی احسان اللہ ممتاز)

جب عاشقِ رسولؐ مدینۂ منورہ کی پاک زمین پر قدم رکھتا ہے، تو اس کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے۔ ؎

اندر دو جہاں کعبۂ ما کوئے محمدؐ — محرابِ دل و جاں خمِ ابروئے محمدؐ

وہ دیوانہ وار حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ ؎

اللہ! ایسے جذبِ محبت کو کیا کروں

رگ رگ کو جس نے درد بھرا دل بنا دیا

ہر قدم پر وہ یہ سوچتا ہے کہ اس مقام پر آقائے نامدار کے قدم پڑے ہوں گے، قدم اُٹھاتا ہے، پھر ٹھہر جاتا ہے، بڑھتا ہے، پھر تھم جاتا ہے۔ ؎

ترے کوچے میں ہم کل اس طرح سے جا بجا ٹھہرے

چلے، چل کر تھمے، تھم کر بڑھے، بڑھ کر ذرا ٹھہرے

اس گلی کے ہر ذرہ کو وہ اپنا دل سمجھتا ہے۔ ؎

ہم اس کوچے کے ہر ذرے کو اپنا دل سمجھتے ہیں

تجلیاتِ حب اس کو آگے قدم بڑھانے نہیں دیتیں۔ ؎

پا یَم بہ پیش از سرِ ایں کو نمی رود

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست (نظیری)

اسی محبت کی تجلی میں وہ دیکھتا ہے، کہ ؎

کوچۂ جاناں کا ہر ذرہ چراغِ طور ہے!

اپنے محبوب کا وہ خیال کرتا ہے، حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کس درجہ آپؐ کو عطا فرمائی تھی! آپؐ کے ذکر کو کس درجہ بلند فرمایا تھا کہ اپنے ذکر کے ساتھ اس کو ملا دیا تھا، رفعنا لك ذكرك کی نوید سے آپؐ کو سرفراز فرمایا تھا! آپؐ کی تعظیم کے ترک کرنے پر کیسی وعید فرمائی تھی، گو آپ کی آواز پر اپنی آواز ہی کے بلند کرنے سے وہ ترکِ تعظیم کیوں نہ ہو! حبطِ اعمال اس کی سزا تھی! پھر نظامیؒ کے الفاظ میں وہ اس طرح ثنا خواں ہوتا ہے۔ ؎

شمسۂ نہ مسندِ ہفت اختراں　　ختمِ رسل خاتمِ پیغمبراں

احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست　　ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست

امیٔ گویا بزبانِ فصیح　　از الف آدم و میم مسیح

اے تن تو پاک تر از جانِ پاک　　رُوح تو پروردۂ روحی فداک

اے مدنی برقع و مکی نقاب　　سایہ نشیں چند بود آفتاب

اے گہر تاج فرستادگاں　　تاج دہ گوہرِ آزادگاں

پھر وہ خیال کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان نیک بختوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا، جنھوں نے آپ کی صحبت پائی اور مشاہدۂ جمال، استماعِ اقوال و ملاحظۂ احوال سے سعادت حاصل کی، اور اپنے حال پر آنسو بہاتا ہے کہ یہ دولتِ سرمدی مجھے نصیب نہ ہوئی اور نہ آپ کے اصحابِ کرامؓ کی صحبت ملی! دنیا میں تو آپؐ کو نہ دیکھا، آخرت میں بھی شاید آپؐ کی زیارت نگاہِ حسرت ہی سے ہو اور اعمالِ بد کے باعث آپؐ ہمیں قبول نہ فرمائیں، کیونکہ آپ کا ارشادِ مبارک ہے، کہ :۔

"قیامت کے روز کچھ لوگوں کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جائیں گے (جن میں اپنی اُمت کی بعض نشانیاں دیکھ کر) میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا، حق تعالیٰ یہ میرے لوگ ہیں! حکم ہو گا کہ نہیں، تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا کام کئے ہیں!! تب میں کہوں گا کہ مجھ سے دُور ہو! مجھ سے دُور ہو!" (رواہ الشیخان)

یہ حال اُن لوگوں کا ہو گا جنھوں نے شریعتِ مطہرہ کی توقیر نہیں کی، سنتِ رسولؐ کی قدر نہ سمجھی، اور بدعت کو ترجیح دی! اب وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے، اس وعید سے کانپ اٹھتا ہے، اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے، چیختا ہے۔ ؎

ہر چند گناہ بے شمار ست — صد مرتبہ بے شمار توبہ!

در بارگہت کنم خدایا — با دیدۂ اشکبار توبہ!

گر رفت بہ ترہات عمرم — کردم نہ بیک دوبار توبہ!

شد ہر سر مو کنوں زبانے — آرم بتو بار بار توبہ! (ملا اعلم)

پھر عرقِ خجالت میں غرق ہو کر حق تعالیٰ سے التماس کرتا ہے:-

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روزِ محشر عذر ہائے من بپذیر

یا اگر بینی حسابم ناگزیر — از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر (اقبال)

پھر اُمید و رجا کی موج اس کے سینہ میں اُٹھتی ہے، وہ اس امر کا احساس کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے اس کو سرفراز فرمایا، اپنے محبوبؐ کی زیارت کے لئے وطن سے نکال کر اس مقدس مقام پر پہونچایا، حظِ دنیا یا تجارت اس سفر سے اس کو مقصود نہ تھا، فقط آپؐ کی بے پایاں محبت اور آپؐ کے آثار کے دیکھنے کے شوق ہی نے اس کو وطن مالوف سے نکالا، زندگی میں جب آپؐ کا دیدار نصیب نہ ہوا تو اس نے اس پر ہی قناعت کی کہ آپؐ کی مسجد مبارک میں حاضر ہو کر آپؐ کی قبر اطہر کی دیوار پر ہی نظر ڈالے۔ ؎

غربتے گر روی بشہر و دیار — روی در مسجدِ مصفا کُن

دوست را گر نمی توانی دید — خانۂ دوست را تماشا کُن

جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ سامان مہیا کر دیئے تو اب اُس کی رحمت سے یہی توقع ہے کہ وہ اس کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور اس کے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔ ؎

اندر علم انچہ ترا شاید نیست

اندر کرمت انچہ مرا باید ہست

جب مسجد نبوی میں قدم رکھتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم اور مسلمانوں میں سے اوّل اور افضل لوگوں کے لئے تجویز فرمایا، جو بقول عارف رومیؒ ؎

برترند از عرش و کرسی و خلا

ساکنانِ مقعدِ صدقِ خدا

اور جو حق تعالیٰ کی نظر میں "محبوب و مطلوب و پسند" رہے ہیں۔
جانتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سب سے پہلے حق تعالیٰ کے فرائض ادا ہوئے، اور کامل عبودیت کیساتھ ادا ہوئے! یہی وہ زمین ہے جس میں تمام مخلوق سے افضل و برتر لوگ حالتِ حیات و حالتِ ممات میں جمع ہیں! اب وہ توقع کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائیں گے، اور دل ہی دل میں عرض کرتا ہے۔

بضاعت بنا وردم الا امید
خدایا ز عفوم مکن نا امید (سعدیؒ)

پھر مسجد مبارک میں خشوع و تعظیم سے داخل ہوتا ہے، زبان پر یہ دعا ہوتی ہے:-

اللّٰھم ھذا حرم رسولك فاجعله لي وقاية من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب
اللھم افتح لی ابواب رحمتك وارزقنی فی زیارۃ نبیك مارزقت اولیائك واھل طاعتك واغفرلی وارحمنی یا خیر مسئول۔

پھر نیت اعتکاف الی الخروج کر کے روضۂ جنت کی طرف بڑھتا ہے اور محرابِ نبوی کے پاس، ممکن ہو تو مصلّی نبوی یا اس سے متصل یا منبر کے پاس، اور نہ ہو سکے تو کسی ایک مقام پر تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرتا ہے، پھر اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور رضا، توفیقِ خیر، قبولِ اعمال و بلوغ مقاصد کی دعا کرتا ہے! دعا کے الفاظ یہ ہوتے ہیں:-

اللھم ان ھذہ روضة من ریاض الجنة شرفتھا وکرمتھا ومجدتھا وعظمتھا ونورتھا بنور نبیك وحبیبك محمد صلی اللہ علیه وسلم! اللھم کما بلغتنا فی الدنیا زیارته ومآثره الشریفه فلا تحرمنا یا اللہ فی الآخرۃ من فضل شفاعة محمد صلی اللہ علیه وسلم واحشرنا فی زمرته وتحت لوائه وامتنا علی محبته وملته واسقنا من حوضه المورود بیدہ الشریفه شربة ھنیئة لا نظماء بعدھا ابدا انك علی کل شیٔ قدیر!

پھر زیارت کی نیت سے نہایت ادب و خشوع کے ساتھ روضۂ پاک کے سامنے حاضر ہوتا ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، کو اس کے آنے، کھڑے ہونے، اور زیارت کرنے کا علم ہوتا ہے، اور اس کا درود و سلام آپ کی خدمت مبارک میں پہونچتا ہے [۱] آپ نے فرمایا کہ: "من صلّی علیّ واحدۃ

[۱] یہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: "جو لوگ میری قبر پر آ کر سلام کریں گے میں ان کا سلام خود سنوں گا، اور دور سے سلام ←

← کرنے والوں کا سلام مجھے پہنچایا جائے گا" (مشکوۃ)

صلی اللہ علیہ عشراً" (مسلم)

یہ جزا تو صرف زبان سے درود پڑھنے کی ہے، جب وہ خود زیارت کے لئے تمام بدن سے حاضر ہوا ہے تو اس کا بدلہ کس قدر عظیم الشان ہوگا!۔

اب وہ اپنے آقائے نامدار کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے:۔

الصلوٰۃ والسلام علیک ایھا النبی السید الکریم والرسول العظیم والحبیب الرؤف الرحیم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ابن ھاشم یاطہ یایٰسین یابشیر یاسراج یامبین یامقدم جیش الانبیاء والمرسلین۔

یاخیر من دفنت فی التراب اعظمہ	نطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ	فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم
انت الحبیب الذی ترجی شفاعتک	عند الصراط اذا ما زلت القدم

پھر صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے!۔

پھر حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کے منبر شریف کے پاس حاضر ہوتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ گویا آپؐ منبر پر چڑھے کھڑے ہیں اور مہاجرین وانصار آپؐ کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں اور آپؐ ان کو خطبہ میں حق تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب وہمت دلا رہے ہیں اور نافرمانی سے روک رہے ہیں اور ڈرا رہے ہیں۔

محمد شہنشاہِ خیلِ رُسُل	کہ خردند پیشش چہ جزو چہ کُل
درخشاں دُرِ دُرجِ عبدِ مناف	بانگشتِ اعجاز مہ را شگاف
ز ابرو ش محراب عین الیقیں	ز گیسوش اسباب حبل المتیں
فلک ہا ز در باش در شبنمے!	فصیحاں ز غوغاش در ابکمے!
چناں عقدہ از کارِ اُمت کشاد	کہ دنداں دریں کار بر باد داد!

(ظہوری)

دل میں توحید پر جینے مرنے کا پختہ عزم کرتا ہے، حضورؐ کی محبت کو قلب میں اور زیادہ راسخ کرتا ہے اور آپؐ کی سنت مطہرہ پر ساری عمر عمل کا پورا ارادہ کرتا ہے، اس عقیدہ کو پختہ کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ہر حال میں اس کے نگراں ہیں (الم یعلم بان اللہ یریٰ)، اس کے دل کے وسوسوں اور خفیہ

خطرات وخیالات کو دیکھتے اور جانتے ہیں تاکہ سب کاموں میں ادب کا لحاظ رکھے، جیسے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کی نظروں کے سامنے ہے، ہر وقت گردن جھکائے، اور ہر کام میں ادب! اس یقین کو بھی دل میں مضبوط کرتا ہے کہ "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ!" یعنے طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے کہ جیسے غذا کو پیٹ بھرنے سے، اور گناہوں کو عذاب سے وہ تعلق ہے جو زہر کو ہلاکت سے!۔ عزم کرتا ہے کہ اپنے تمام حرکات وسکنات، خطرات ولحظات، لفظات وفلتات، عذرات وفجرات، پر ہمیشہ نظر رکھے گا اور تقوی کے اختیار کرنے میں اور ہر برائی سے اجتناب کرنے میں مبالغہ سے کام لے گا، بحول اللہ وقوتہ۔

آخر میں اس تسکین بخش عقیدہ کو بھی پختہ کرتا ہے کہ رزق کی کفالت خود حق تعالیٰ نے فرمائی ہے یہ کہہ کر کہ:-

"ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا"

یہ رزق مضمون ضرور ملے گا، جتنا مقدر ہے وہ قطعاً پہونچ کر رہے گا، طلب رزق بطور شرعی کرنا چاہیے اور جو چیز فوت ہو جائے اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے۔

(لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم!)

منبر شریف کے پاس پہونچ کر تصور کرتا ہے کہ کچھ ان ہی تیقنات پر حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) زور دے رہے ہیں اور وہ انھیں اپنے قلب میں اتار رہا ہے، اور اپنے تحت شعوری نفس میں انھیں پختہ کر رہا ہے۔

حج وزیارت کے اعمال میں یہ ہے دل کا وظیفہ، جس کے اجمال کا ذکر ہوا۔ اس طرح فارغ ہو کر حاجی فرطِ مسرت سے چیخ اٹھتا ہے۔ ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است | افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را | کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است
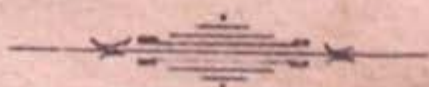
پیامِ محبّت نواز

(زائرِ حرم حضرتِ حمید صدیقی لکھنوی)

وہ دیدارِ خاکِ حجاز اوّل اوّل — وہ جوشِ جنونِ نیاز اوّل اوّل
وہ نظّارۂ بے نظر پہلے پہلے — وہ اک منظرِ جاں نواز اوّل اوّل
وہ ارضِ مقدس کی سادہ فضائیں — حرم میں وہ کیفِ نماز اوّل اوّل
وہ کیفیتِ اضطرابِ حضوری — وہ ذوقِ جبینِ نیاز اوّل اوّل
ہمیں یاد ہو اپنے دل کا وہ عالم — ہوئے تھے جو ہم سرفراز اوّل اوّل
وہی بن گیا دردِ دل آخر آخر — بظاہر جو تھا سوز و ساز اوّل اوّل
غم و کیف کا امتزاج اللہ اللہ — دل و درد کا سازِ باز اوّل اوّل
کلامِ حق آموز بے لفظ و معنی — پیامِ محبت نواز اوّل اوّل
جمالِ مجرّد، برنگِ تماشا — حقیقت بشکلِ مجاز اوّل اوّل
ابھی تشنۂ دید تھیں میری نظریں — کہ دل پر گری برقِ ناز اوّل اوّل
وہ اک جلوۂ بے جہت آخر آخر — وہ اک پردۂ نیم باز اوّل اوّل
دھڑکتے ہوئے دل کے خونبار آنسو — وہ آنکھوں سے افشائے راز اوّل اوّل
حضورِ شہنشاہِ کونین ادب سے — وہ عرضِ سلامِ نیاز اوّل اوّل
اِدھر التفاتِ کرم کی بشارت — اُدھر گریۂ جاں گداز اوّل اوّل

حمیدؔ آہ وہ رقصِ روحِ محبت
وہ ہر سانس نغمہ طراز اوّل اوّل

عرضِ شوقِ نگاہ

(از حضرت نازش پرتاب گڑھی)

روم بسوئے دیارِ نبیؐ (صلوٰۃ اللہ)
ہزار ماہ و انجم نثارِ جادۂ راہ

حضورِ مائلِ پردہ سرائے جلوہ پناہ
منم کہ منتظرِ یک تجلیٔ ناگاہ

جمالِ پاکِ حرم باعثِ سکونِ نگاہ
مکینِ خانۂ دل الفتِ رسولؐ اللہ

برائے مدحتِ پاکِ نبیؐ (صلی اللہ)
بجز نازشِ آوارہ و خراب و تباہ

کجا نگاہِ پریشانِ زائرانِ حرم
کجا دیارِ نبیؐ رشکِ مہر و غیرتِ ماہ

مپرس ہمدمِ دیرینہ می روم کجا
بہ لب ترانۂ نعتِ نبیؐ حرم بہ نگاہ

فدائے جنتِ رضواں بہ بیں ز دیدۂ دل
فروغِ حسنِ مدینہ بہ جلوۂ شبِ ماہ

خموش باش کہ ایں بارگاہِ سلطان است
بہ ہوش باش کہ ایں جاست عرضِ شوقِ گناہ

مریز بر منِ بیچارہ عشرتِ کونین
بدہ ترانۂ نعت و لبِ خلوص آگاہ

خوشا نشاطِ فراواں زہے تصورِ دوست
فسردہ گشت فروغِ ہجومِ انجم و ماہ

بہ فیضِ احمدِ مرسل ز قلبِ سنگ آمد
صدائے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

گناہ گارم و برگشتہ کائنات از من
سوائے دامنِ پاکِ تو نیست جائے پناہ

نثارِ گنبدِ خضرا، فدائے شامِ عرب
فروغِ صبح و بہار و تجلیٔ شبِ ماہ

مکن ملال ز دردِ فراق اے نازش
بکن بہ احمدِ مختار عرضِ شوقِ نگاہ

فدائے جرأتِ رندانۂ خودم نازش
سوالِ جلوہ بہ ایں بے کسی و عجزِ نگاہ

لیلائے کعبہ

(حضرت شفیق صدیقی، جونپوری)

ہنس پڑے دیکھ کے تم شکل جو بیماروں کی — زندگی جھومتی پھرتی ہے وفاداروں کی

تیرے ہی در پہ ہو شنوائی دل افگاروں کی — خانہ آباد کہ بن آئی ہے بے چاروں کی

تیری ہی درگہ عالی وہ جگہ ہے کہ جہاں — پرسشِ حال ہے ہم سے وطن آواروں کی

کس کے گیسو کی تجلّی ہے غلافِ کعبہ — جس سے وابستہ ہیں امیدیں سیہ کاروں کی

رشکِ سینا ہیں صفا و عرفات و مروہ — اے جنوں سیر کریں چل انھیں کہساروں کی

آبِ زمزم سے کھجوروں کی فراوانی سے — دعوتیں کرتے ہیں وہ اپنے نمک خواروں کی

ہو درِ کعبہ نزولِ کرمِ خاص کی جا — خوب گذرے گی وہاں ہم سے گنہگاروں کی

حرمِ پاک کے پردوں پہ لٹانے کے لیے — جھلملی روز بناتا ہے فلک تاروں کی

اٹھتے جاتے ہیں حجاباتِ حریمِ عرفات — آج پوچھو نہ خوشی ان کے طلبگاروں کی

مجھ جگر سوختہ پہ بھی ہو نوازش کی نگاہ — خیریت پوچھنے والے جگر افگاروں کی

اللہ اللہ عجب انداز سے آئی ہے بہار — عید ہے میکدۂ عشق کے میخواروں کی

ان کی بخشش کی ہے وہ دھوم کہ شیخ و زاہد — سب چلے آتے ہیں صورت میں خطا واروں کی

بخشی جاتی ہیں خطائیں درِ مولیٰ پہ شفیق

جا ضرورت ہے وہاں تجھ سے گنہگاروں کی

نعت سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم

(از مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی امروہی)

سراپا چمن ہے دیارِ مدینہ ۔ دوامِ آشنا ہے بہارِ مدینہ

مدینے کے پھولوں کو کیا پوچھتے ہو ۔ رگِ گل ہو ہر نوکِ خارِ مدینہ

دلوں پر ہو جس کی حکومت کا سکہ ۔ زہے شوکتِ تاجدارِ مدینہ

کسی چیز کی اس کو حسرت نہیں ہو ۔ میسر ہے جس کو غبارِ مدینہ

یہ منبر، یہ مسجد، یہ روضہ، یہ گنبد ۔ ہے فردوس ہر یادگارِ مدینہ

وہاں کی زمیں عرش سے بھی ہو اعلیٰ ۔ جہاں دفن ہیں تاجدارِ مدینہ

تہجد، تلاوت، تضرع، دُعائیں ۔ خوشا سعیٔ شب زندہ دارِ مدینہ

حُنین و تبوک اور بدر و اُحد میں ۔ صف آرا ہوئے شہسوارِ مدینہ

کبارِ مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں ۔ بڑوں سے بڑے ہیں صغارِ مدینہ

تمنا ہے عمرِ رواں اپنی گزرے ۔ بہ ہمراہِ لیل و نہارِ مدینہ

فریدی چلو چل کے روضہ پہ کہنا

سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں

خدا کا ایک وفادار بندہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ

(از مولانا مناظر احسن گیلانی)

شاہ ولی اللہ کا دور اسلامی ہند کا سخت طوفانی دور تھا، مغلیہ سلطنت کا زوال و انحطاط ہندستان میں انگریزی اقتدار کا آغاز سکھ اور مرہٹہ تحریکوں کا زور اور ان کے غارتگرانہ ہنگامے نادر شاہ کا خونی سیلاب، احمد شاہ ابدالی کی تاریخی جنگ، یہ سارے واقعات شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ میں ہوئے اور خود شاہ صاحب ان سے غیر متعلق بھی نہ تھے اس لیے اس مقالہ میں [illegible] اور ان کے اسباب واثرات کا ذکر بھی اچھی خاصی تفصیل سے آگیا ہے، پھر بتلایا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے فتنوں کے اس طوفانی دور میں اسلام کی خدمت کیا اور کس طرح کی اور ان کے طرز عمل سے موجودہ حالات میں ہمیں کیا روشنی ملتی ہے۔ ... ... کاغذ سفید چکنا

قیمت ... ... (عہ)

امام ولی اللہ دہلویؒ

اور ان کا فلسفہ

(از حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف اور ان کے فلسفہ پر نہایت گہرا علمی مقالہ بلا شبہ نوادر میں سے ہے اور ان کی علمی خصوصیات اور ان کے فلسفہ کی بنیادوں کو سمجھنے کے لیے یہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے، اس میں پانچ باب ہیں، پہلے باب میں شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور ہند و حرمین کے اساتذہ و مشائخ سے استفادہ و تحصیل کا بیان ہے، دوسرے اور تیسرے باب میں علوم قرآن و حدیث میں ان کی تجدیدات اور خاص نظریات کی تشریح کی گئی ہے، اور چوتھے اور پانچویں باب میں علی الترتیب فقہ اور تصوف کے بارے میں ان کے خاص مجتہدانہ نظریات پر روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن صرف اہل علم اور عربی داں حضرات کے مطالعہ کے لائق ہے۔

کاغذ سفید چکنا　　قیمت　　(عہ)

تذکرۂ امام ربانی

مجدد الف ثانی نمبر الفرقان کا کتابی اڈیشن

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح و خصائص اور آپ کے اہم تجدیدی کارناموں کا تفصیلی بیان، اکبر اور اس کے منافق و ملحد حواریوں کے گھڑے ہوئے "دین الٰہی" کی تفصیلات، اس زمانہ کے علماء سوء اور ملحد صوفیوں کی تحریفات و تلبیسات اور ان سب گمراہیوں کے اثرات سے اسلام کو اور ہندی مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کے لیے حضرت امام ربانی کی مجددانہ جد و جہد اور بارگاہ خداوندی میں چیخ پکار اور اصلاح و تجدید کے اس مشن میں آپ کی محیر العقول کامیابی اور مغلیہ سلطنت کے رویہ پر آپ کی مساعی و تجدید کا اثر۔

ان تمام چیزوں کی تفصیل آپ کو
تذکرہ امام ربانی
کے مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قیمت ـــــ دو روپے آٹھ آنے ـــــ (عہ)

کلمہ طیبہ کی حقیقت

(از افادات مولانا محمد منظور نعمانی)

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشیں اور موثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ اور عارفانہ رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں، پہلا اڈیشن چھپ کے کچھ ہی دنوں کے بعد نایاب ہو گیا تھا، اب نظر ثانی کے بعد چھوٹے خوبصورت سائز پر یہ دوسرا اڈیشن تیار ہوا ہے

قیمت آٹھ آنے (۸؍)

اسلام کیا ہے؟

(تالیف مولانا محمد منظور نعمانی، مدیر الفرقان لکھنؤ)

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت، اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھکر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی جامع اور مفید کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ، اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے، اسلام کی ضروری تعلیمات کو بیس سبقوں کی شکل میں مرتب کرکے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور موثر خطبہ ہے۔ زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، خود پڑھکر ایمان تازہ کیجیے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنائیے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجیے اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجیے۔ اور اگر آپ کا کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دے دیجیے۔

کاغذ و طباعت اعلیٰ قیمت مجلد (عہ)

نماز کی حقیقت

(از افادات مولانا محمد منظور نعمانی)

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کیلئے اور اپنی نماز میں روحانیت و نورانیت پیدا کرنے کیلئے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں، نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور ائمہ دین و معرفت خصوصاً امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے، کلمۂ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے، تازہ اڈیشن، کاغذ، طباعت اعلیٰ

قیمت ایک روپیہ (عہ)